جاء الحق وذہق الباطل ان الباطل کان ذہوقا

(رسالہ نمبر ۳۰)

مصباح الہدایت

حصہ سوم

مؤلفہ و مرتبہ

متکلم و مناظر لاثانی جناب شہزادہ سلطان علی صاحب دانی

مؤلف مصباح الہدایت حصہ اول و دوم و رسالہ تقیہ و تیغ بران سلمہ اللہ المنان

سنہ ۱۹۲۵ء

حیدری پریس لاہور میں باہتمام ملک صادق علی پرنٹر جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب (لاہور) میں شائع کیا

اقلیم ہند ہیں

مغربی طرزِ ادائے قصص کو جس درجہ قبولیت عام حاصل ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ لہٰذا اہل قلم نے بہ لحاظ زمانہ شناسی اس ڈھنگ کو اختیار کیا۔ اور پرانے ڈھنگ قال و اقوال کو چھوڑ دیا۔ اور اسی روش میں مذہبی خیالات و جذبات کو اُن طبائع تک پہنچانے کی کوشش کی۔ جو سوائے اس ڈھنگ کے دوسرے ڈھنگ کو قطعی ناپسند کرتی تھیں ؛

اس قسم کی کتابوں کے سلسلہ میں جہاں تک رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ مصباح الہدایت نمایاں درجہ امتیاز لئے ہوئے دکھائی دیتا ہے مصباح کیا ہے ائمہ اثنا عشریہ کلہم من قریش مجوزہ اہل سنت کے کردار کا آئینہ۔ خلفائے سواد اعظم کی دنیا پرستی کی تصویر۔ اہلبیت کرام و اصحاب ثلثہ کے مناقشات کا فوٹو۔ مذہبی مباحث کو نہایت خوبی اور دل پسند روش کے ساتھ دُنیا تک پہنچانے والا۔ آیندہ نسلوں کو ضلالت اور غوایت سے بچانے والا۔ حسن تحریر کا اعلےٰ نمونہ۔ مذہبی خیالات کو حسن عشق کی شاعرانہ رنگینیوں کے ساتھ سموتے ہوئے دلکش رنگ سے پیش کرنے والا کہ صاحبان مذاق پھڑک اُٹھیں ؛

یہ رسالہ جناب شہزادہ سلطان علی صاحب دُرّانی المتخلص سلطانؔ کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ اور ہر پہلو سے یہ قابلیت رکھتا ہے۔ کہ آپ سو کام چھوڑ کر اس کا مطالعہ کریں۔ مخالفین کے ناطقہ بند کرنے لئے صحیح حوالہ جات کا ذخیرہ ہے۔ اسے بعد مطالعہ اپنے کتب خانہ کی زیبائش بنائیں ؛

المشتہر

سیکرٹری جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد خالقِ ربِ صمد واحد بانی بنائے دو جہان حاکم اشیائے کون و مکان خدائے یگانہ خالق عجائب وغرائب زمانہ کہ جس نے ایک لفظ کُن سے تمام عالم کو پیدا کیا۔ اور ایک گروہ خاصہ جنہیں انبیاء کے لقب سے ملقب فرماکر ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ کیا حاکم بے نیاز ہے۔ ہر غریب وفقیر کا کارساز ہے۔ جب سختی آتی ہے۔ تو اس کی یہی تدبیر ہے۔ کہ وہی ہم سب کا دستگیر ہے۔ اس کے اوصاف باانصاف کس کی مجال ہے کہ لکھ سکے۔ بس یہی کافی ہے۔ کہ یقین کامل کرلے کہ ہمارا خدا یکتا ہے۔ جسم وعرض وجوہر سے مبرا ہے۔ نہ اُس کا کوئی شریک و یار ہے۔ وہی ہر ایک کا معین ومددگار ہے۔ ہر وقت بقول سعدی یہی وردِ زبان ہے ؎ اگر دعوتم رد کنی ور قبول من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

بعد از حمد ہزاراں ہزار شکر ہے۔ اُس خالقِ اکبر کا جس نے ہمارے لئے وہ رسولؐ برحق بھیجا۔ کہ اُس نے آکر شمع ہدایت روشن کی ظلمتِ کفر کو مٹایا۔ تمام کتابیں منسوخ ہوئیں۔ قرآن مجید فرقان حمید ہمارے حضرت پر نازل ہوا۔ اسکا سمجھنا بھی آپ کی ذات ستودہ صفات و اوصیائے حقہ پر موقوف تھا۔ قصص پیغمبرانِ ماسلف سے ہدایت ہوئی۔ حضرت موسےٰ کلیم اللہ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے جاتے تھے۔ جواب و سوال ہوتے تھے۔ مگر ہمارے نبی برحق حبیب ربِ مطلق اس مقام پر پہنچے۔ کہ صاحب قوسین او ادنےٰ لقب ہوا۔ تمام انبیاؤں پر آپ کو فخر عطا ہوا۔ ہر سوال کا جواب باصواب ملا۔ ان کی نعت کوئی کیا کر سکے۔ خود پروردگار ان کا مداح ہے۔ جب بانی کون و مکان یہ محبت ارشاد فرمائے۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔ پھر کس کی مجال ہے کہ ان کے اوصاف کا شمہ بیان کر سکے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے: بعد از

خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ لہٰذا تبرکاً و تیمناً جناب حیدر کرارؑ غیر فرار وصی بلا فصل
احمد مختارؐ زوج زہرا آئمہ اطہار کی منقبت عرض کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ کی منقبت بہ
فحوائے انفسنا و انفسکم عین نعت و منقبت سید ابرار ہے۔ میں کہاں اور میرا
قلم کہاں کہ اوصاف حمیدہ حضرت مرتضویٰ کا اظہار کروں۔ جسے نبی برحق اپنا
قوت بازو قرار دیکر یا علی انت اخی فی الدنیا والاخرۃ کے خطاب سے مخاطب فرمائے
جس کی ایک ضربت کا وصف لضربۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی
کہہ کر اعلان فرمائے۔ جس کی شان میں ملائکہ لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کا
ورد کریں۔ جسے روز جنگ خیبر جبکہ بڑے بڑے حضرات حارث خیبری کی تلوار کی
چمک سے دُم دبا کر ثم ولیتم مدبرین کا تمغہ لے چکے۔ حبیب کبریا نے لاعطین
الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ کہہ کر
اپنا علم ظفر پیکر عطا فرمایا۔ اور تمام خواص و عوام کو جتلایا کہ علیؑ ہی میرا اور خدا کا
دوست ہے۔ علیؑ کی وہ ذات مجمع الحسنات ہے جس کی شان میں ہل اتیٰ نازل
ہوا۔ جس کے حق میں ارشاد ہوا کہ علیؑ کو نہ پہچانا کسی نے مگر میں نے یا میرے
رسولؐ نے۔ اور نہ پہچانا میرے حبیبؐ کو مگر میں نے یا علیؑ نے۔ اور نہ معرفت
حاصل کی میری۔ مگر رسولؐ نے یا علیؑ نے۔ پھر کیا تاب و تواں ہے۔ کہ اس زبان
سے اس کی منقبت بیان کر سکوں۔ اور کیا میری مجال ہے کہ قلم عجز رقم سے
کچھ لکھ سکوں۔ ہزاراں ہزار درود و سلام ہو اس پر اور اس کے گیارہ فرزندوں
پر جن کے وجود ذی جود سے یہ دُنیا قائم ہے۔ اور پھٹکار خداوندی ہو ان پر
جنہوں نے دیدہ دانستہ ان کے حقوق کو غصب کیا۔ اور ان پر ظلم و ستم کو
روا کیا ؎

ہر آنکس کہ باشد بدل دشمنش   الٰہی بہ آتش بسوزی تنش

اما بعد احقر پُر تقصیر سلطان علی درانی خلف خاندانیاں شاہزادہ سلطان
محمد جمال مرحوم صدوزائی افغان حال متوطن شہر لاہور دار الخلافہ ملک پنجاب
عرض پرداز ہے۔ کہ یہ شہر لاہور بباعث اتفاق و وفاق شہرہ آفاق تھا۔
ہمیشہ یہاں پر جمیع فرقات اسلامی بہ فحوائے کل حزب بما لدیہم فرحون

آپس میں شیر و شکر کی طرح ملے جلے اوقات بسر کرتے تھے۔ مگر بباعث بد طالعی
و بدنصیبی اہل اسلام چند ایک حضرات خوارج و نواصب بہ لباس اہل سنت
دو چار برس سے پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اس اتفاق کو مبدل بہ نفاق کیا
اور ایک انجمن بنام نہاد دائرۃ الاصلاح ترتیب دیکر بہ اتباع حضرات امویہ
پئے شورش و تخریب ہوئے۔ کبھی ایام محرم میں پانی بند کرکے سنت یزیدیہ کو
ازسرنو زندہ کیا۔ کبھی اتہامات اور افتراآت سے کام لیکر مومنین و سادات کا دل
دکھایا۔ الغرض جس طرح ہو سکا۔ اپنے امیر معاویہ و مروان کے روح کو خوش کیا۔
جب ان کی طرف سے دل آزاری کی حد باقی نہ رہی۔ اور دیکھا کہ یہ اب عبد اللہ
زیاد کی طرح منہ چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ آخر الامر بجز اس کے چارہ نہ دیکھا۔ کہ
ابراہیم ابن مالک اشتر کی طرح اس نسل زیاد بن ابیہ کو کیفر کردار پر پہنچایا جائے
ہل من مبارز کہنا پڑا۔ اور بمصداق کلوخ انداز را پاداش سنگ است ان کا
جواب ترکی بہ ترکی دینا شروع کیا۔ مگر بعض بہی خواہان اسلامی نے اسے مناسب
نہ سمجھا۔ اور فریقین کو بلا کر ہدایت فرمائی۔ کہ یہ تیرہ سو سالہ جھگڑا ائمٹ ہے۔
اس کا فیصلہ ہونا مشکل۔ چونکہ اسلام پر ہر طرف سے آجکل اعدا حملہ آور ہو رہے ہیں
بہتر ہے کہ آپس کے مناقشات کو چھوڑ دیا جائے۔ اور مثل سابق اتفاق اور
اتحاد سے ایام گذارے جائیں۔ چنانچہ فریقین نے اس پر کاربند ہونیکا وعدہ
کرلیا۔ چنانچہ ہماری طرف سے برابر سال بھر یا کچھ کم عرصہ تک ان کے جواب
لکھنے سے قلم کو روکا گیا۔ مگر حضرات دائرہ نے نہ باز آنا تھا نہ باز آئے۔ اپنے
سلسلہ کو قائم رکھا۔ اور مختلف رسالہ جات شائع کرکے جراثیم طاعون کی طرح
اطراف واکناف میں سمیت کو پھیلایا۔ لہذا مجبور ہو کر ان کے وہ مضامین جو بغیر
از جواب رہ گئے تھے۔ ان کا جواب لکھنا شروع کیا۔ مصباح الہدایت حصہ دوم
میں میرا وعدہ تھا۔ کہ اشاعت آیندہ میں حضرات خلفائے ثلثہ کا اجرائے
حدود الہیہ میں اپنی نفسانیت و خواہش پر عمل کرنا اور مورخین محققین
مذاہب غیر کی رائے دربارہ خلافت کا بھی اظہار کرونگا۔ چنانچہ قبل ازیں کہ
نبات النبی و قرآن السعدین کا جواب لکھوں۔ ایفائے وعدہ کرتا ہوں۔ اس

کے بعد قران السعدین مولفہ مسٹر مظہر و بنات النبی مولفہ مسٹر نامی پر تنقیدی نگاہ ڈالونگا۔ چونکہ رسالہ کا حجم بڑھ گیا ہے۔ اور حضرات ناظرین کی عادت میں داخل ہے۔ کہ بوجہ طوالت پوری کتاب ملاحظہ فرمانے سے قاصر رہتے ہیں۔ لہذا بنظر تسہیل ناظرین اس رسالہ کو چند ابواب پر منقسم کر دیا ہے۔ اور ہر باب کو جدا جدا ترتیب دیا ہے۔ تاکہ اہل نظر سب کو وقتاً فوقتاً بلا کراہت ملاحظہ فرمالیں۔

نام ابواب معہ مضامین

مسٹر نامی و مظہر صاحب نے فاروق اعظم و الصدیق و العثمان میں حضرات ثلثہ کی نسبت دعوے سے ارقام فرمایا ہے۔ کہ ان حضرات نے اجرائے حدود الہیہ میں کبھی کسی بڑے چھوٹے اور عزیز و بیگانے میں تفریق نہیں کی۔ آپ کا یہ دعوے حقیقتاً ایک واقعہ عجیبہ کا انکشاف کرنے والا ہے۔ مجھے یقین واثق ہے کہ آپ نے کبھی غور سے حضرات ثلثہ کی لائف کو نہیں دیکھا۔ اگر واقعات کو غور سے دیکھا ہوتا۔ تو اس طرح آنکھ بند کر کے ہرگز ایسا دعوے پیش نہ کرتے۔

جبکہ تمام واقعات پکار پکار کر یہ شہادت دے رہے ہیں کہ حضرات ثلٰثہ میں وہ مادہ ہی نہ تھا۔ جو اجرائے حدود خداوندی میں دماغ سے کام لے سکتے۔ جبکہ تمام واقعات ان کی بےعلمی پر بیّن شہادت دے رہے ہیں۔ تو یہ امر کیسے قبول کیا جائیگا۔ کہ وہ اجرائے حدود خداوندی میں ٹھوکریں نہ کھاتے ہونگے۔ حصہ دوم مصباح الہدایت میں بسلسلہ علم ان بزرگواروں کا جاہل مسئلہ ہونا مختصراً لکھ چکا ہوں۔ وہی واقعات جنکا تعلق بہت کچھ حدود الہیہ سے ہے۔ کیا میرے اس بیان کے مؤید نہیں۔ کہ ان حضرات کے قلوب بالکل علم سے معرا تھے۔ اور وہ اجرائے احکام میں سخت ٹھوکریں کھاتے تھے۔ مجھے ضرورت نہ تھی کہ میں اس بارہ میں اور نظائر پیش کرتا۔ کیونکہ خود یہ بزرگوار آنے والی نسلوں کے لئے بہت کچھ سرمایہ بطور یادگار چھوڑ گئے ہوئے ہیں جو ہمیشہ کام میں لایا جائیگا اور لایا جا رہا ہے۔ اور جو کبھی کم ہونیوالا نہیں۔ اس لئے میں بپاس خاطر نامی و مظہر صاحب کچھ اور نظائر پیش کرتا ہوں ✦

اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت کو مورخین نے تسلیم کیا ہے۔ کہ اُن کی چندروزہ حکومت برائے نام تھی بلکہ اس کی کل حضرت عمر کے ہاتھ میں تھی۔ جس طرح وہ چاہتے۔ اسے گھماتے۔ دیکھو سیرۃ الفاروق اور اس کی تائید خود حضرت ابوبکر کا وہ قول کرتا ہے جسے آپ نے بوقت فتح شام ابوسفیان کے شریک جنگ ہونے میں اور حضرت عمر کی اختلاف رائے کے وقت بقول واقدی فرمایا۔ کہ میں تو کسی قول اور فعل میں تمہارے خلاف رائے کام کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے عہد خلافت ابوبکر کو بھی خلافت عمریہ محسوب کرنا بیجا نہیں۔ تاہم حضرت ابوبکر نے اپنے عہد خلافت میں جہاں جہاں بلا خوف و بیم نہایت وسعت کے ساتھ دماغی قوت کے ذریعہ اجرائے حدود خداوندی کی ہے۔ گو وہ واقعات بکثرت ہیں۔ لیکن میں مختصراً نامی و مظہر صاحب کے ہر ممدوح کے عہد میں اپنے دعوے کا انطباق دکھاتا ہوں۔ انشاء اللہ ناظرین رسالہ حظ کافی اور لطف کافی حاصل فرمائیں گے ✦

باب اوّل

حضرت ابوبکر کا اپنے عہد حکومت میں حدود خداوندی کا جاری کرنا

مالک بن نویرہ کو جو آنحضرت کا صحابی اور قوم بنی حنیف کا سردار تھا۔ جب یہ خبر ہوئی کہ جناب رسالتمآب وفات پا گئے۔ اور لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ وہ مدینہ میں آیا۔ جمعہ کا دن تھا۔ دیکھا کہ ابوبکر منبر رسولؐ پر مصروف وعظ ہے۔ مالک نے ابوبکر سے مخاطب ہوکر کہا۔ کہ اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اپنے نفس پر نہ ڈالو۔ اور گھر میں جاکر بیٹھو۔ اپنے گناہوں کے لئے دعائے مغفرت طلب کرو۔ اور حق صاحب حق کے سپرد کردو۔ تم کو شرم کرنی چاہئے کہ جس جگہ کو خدا اور رسولؐ نے دوسرے کے لئے مقرر کیا ہے۔ تم اس جگہ پر متمکن ہوئے ہو۔ کیا تم فراموش کر چکے ہو علی ابن ابیطالب کو بخطاب امیرالمومنین سلام کرنا اس کے بعد مالک مہاجر و انصار کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ اگر حق کو اس کے مرکز اصلی پر قرار نہ دوگے۔ تو تم پر سخت مشکلات پیش آئیں گی۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر نے اس کے ساتھ سخت کلامی کی۔ اور اس بیچارے کو لات گھونسہ لگوا کر نکلوا دیا۔ جب مالک بعد اس واقعہ کے اپنے گھر واپس آیا۔ تو حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو جو ایام جاہلیت سے مالک کا سخت دشمن تھا۔ بلایا اور کہا کہ مالک نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے۔ اسے جاکر قتل کر اور اس کی قوم کو اسیر کر۔ اس پر خالد ایک سو سوار لیکر وہاں پہنچا۔ اور ظاہر کیا کہ میں کسی اور جگہ جارہا ہوں۔ آج کی شب تمہارا مہمان ہوں۔ مالک اور اُس کی قوم نے دعوت کی۔ جب آدھی رات گذری تو خالد اٹھا۔ اور اپنی تلوار لیکر مالک کے سرہانے آیا۔ اور اُسے سوتے ہی میں قتل کر کے اپنے ہمراہیوں کو آواز دی۔ انہوں نے آکر اس کی قوم کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا۔ اور مالک بن نویرہ کی عورت کے ساتھ اسی شب خالد نے زنا کیا۔ اور مع مال اسیروں کو

ابوبکر کے دربار میں حاضر کیا۔

ابن اعثم نے کتاب فتوح میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر نے مالک بن نویرہ سے زکواۃ مانگی۔ اس نے کہلا بھیجا کہ رسولخدا نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا۔ کہ ہم تمہیں زکواۃ دیں۔ اور نہ تم کو کیا ہے کہ تم ہم سے زکواۃ لو۔ پھر تم کس طرح ہم سے زکواۃ کے خواہاں ہو۔ کہ جس کی طلب کے لئے خدا و رسولؐ نے تم کو مقرر نہیں کیا۔ اس پر ابوبکر نے تمام اہل رِدہ رکھ کر اس بہانہ سے خالد کو روانہ کیا جس نے ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا۔ ابن حجر اصابہ میں رقمطراز ہیں۔ کہ مالک بن نویرہ کو پیغمبر خدا نے عامل صدقات اس کی قوم کا مقرر کیا تھا۔ جب اسے آنحضرت صلعم کی وفات کی خبر ہوئی۔ اور سنا کہ ابوبکر متمکن بر خلافت ہوئے۔ تو اس نے ان صدقات کو اپنی قوم کے فقرا پر بانٹ دیا۔ اور خالد نے جا کر اسے قتل اور اس کی قوم کو اسیر کیا۔

علامہ یافعی نے تاریخ واقدی سے ابن زہیر شاعر کے اشعار جس میں اس نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔ لکھے ہیں۔ اور ان اشعار کو علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بسلسلہ واقعہ قتل مالک لکھا ہے۔ میں بھی اس جگہ ان اشعار کے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

ترجمہ اشعار۔ تو نے قبیلہ بنی تمیم کے اس بہادر شہسوار کو جو تمام قبیلہ کا امیدگاہ اور اخوان شانہ تھا قتل کر کے تمام قبیلہ بنی تمیم کا رطب و یابس لوٹ لیا۔ آیا کوئی ہے جو خبر دے اس قبیلہ کو جو گھوڑوں کے سموں سے روندا گیا۔ کہ بعد قتل مالک تیزی راتیں بہانہ ہو گئیں۔ خالد نے اس کی زوجہ کے ساتھ امر بد کا ارادہ کیا۔ اور جس کی پیشتر سے اس کو خواہش تھی۔ پس جاری کیا خالد نے اپنی خواہش نفسانی کو اس پر اور نہ پھیر سکا اپنی خواہش اس عورت سے اور نہ تھام سکا اس کو اور صبح ہوئی خالد کو اس حالت میں کہ وہ تو صاحب زوجہ اور عیال تھا۔ اور صبح ہوئی مالک کو اس حالت میں کہ وہ بھی ایک شخص تھا منجملہ ان لوگوں کے جو اس مصیبت میں ہلاک ہوئے۔

اب کون شخص رہ گیا جو یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری اور حمایت کریگا۔ اور کون شخص باقی ہے جو مفلس اور محتاج اور مساکین کی مدد کریگا۔

علامہ ابوالفدا اپنی تاریخ میں بدیں خلاصہ ارقام فرماتے ہیں۔ کہ مالک جو سردار قبیلہ صاحب دولت سوار معزز اور شاعر تھا۔ اور اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں

حاضر ہوکر اسلام قبول کیا تھا۔ ابوبکر کو زکواۃ دینے سے مانع تھا۔ لہذا ابوبکر نے خالد کو واسطے لینے زکواۃ کے اس کے قبیلے کی طرف بھیجا۔ اور اُس میں اور مالک میں تیز گفتگو واقع ہوئی۔ خالد نے کہا کہ تو نے خلیفہ سے انحراف کیا ہے۔ میں تجھے قتل کرونگا۔ مالک نے کہا ایسا ہی حکم تیرے صاحب کا ہے۔ یہ سنکر خالد کا مالک پر تعدی کرنا۔ عبداللہ ابن عمر اور ابوقتادہ انصاری کو جو اسوقت موجود تھے۔ اُنہیں بُرا معلوم ہُوا۔ انہوں نے خالد کو سمجھایا۔ مگر خالد نے ایک نہ سنی۔ مالک نے یہ بھی کہا کہ مجھے خلیفہ کے پاس لے چلو۔ وہ جیسا مناسب سمجھے کرے۔ لیکن خالد نے کہا۔ کہ میں تیری گردن مار لونگا۔ اور ضرار بن ازور کو اس کے قتل کرنیکا حکم دیا۔ اس وقت مالک نے اپنی زوجہ کی طرف جو نہایت ہی حسین اور جمیل تھی۔ دیکھکر کہا کہ یہ میرے قتل کا سبب ہوئی ہے۔ خالد نے کہا نہیں بلکہ تیرا اسلام سے منحرف ہونا تیرے قتل کا باعث ہے۔ مالک نے کہا میں مسلمان ہوں۔ مگر خالد نے کچھ نہ سنا۔ اور ضرار کو اشارہ کیا جس نے مالک کو قتل کیا۔ اس کے بعد فوراً سے پیشتر خالد اس مرد مسلمان کی عورت پر متصرف ہُوا۔ اور اس کے ساتھ زنا کیا +

شعرائے عصر نے اس قصہ کو بطور ذم و توہین نظم کیا ہے۔ جن کا ترجمہ ہم چند سطور پیشتر لکھ آئے ہیں۔ اس واقعہ کی جب ابوبکر اور عمر کو اطلاع ہوئی تو حضرت عمر نے ابوبکر سے کہا کہ خالد نے ارتکاب زنا کیا۔ اسے سنگسار کرنا چاہیئے مگر ہزایکسلینسی ابوبکر نے انکار کیا۔ پھر حضرت عمر نے کہا کہ خالد نے ایک مرد مسلم کو قتل کیا ہے قصاص لینا چاہیئے۔ اس میں بھی ہزایکسلینسی ابوبکر نے تاویل فرمائی۔ پھر حضرت عمر نے خالد کے عزل کی سفارش کی۔ تو کہا کہ میں خدا کی تلوار کو نیام میں نہ کرونگا +

علامہ ابن خلکان نے بھی واقعہ قتل مالک اور خالد کا اس کی زوجہ پر متصرف ہونا اور حضرت عمر کا حضرت ابوبکر سے سنگساری پھر قصاص پھر عزل کی رائے کا دینا اور ہزایکسلینسی ابوبکر کا کچھ نہ ماننا اپنی تاریخ میں مفصل لکھا ہے۔ نامی و مظہر صاحب مجھے اجازت دینگے کہ میں دریافت کروں۔ کہ کیا ایسی ہی کارروائیوں کا نام حدود خداوندی میں تفریق نہ کرنیکا ہے۔ لیکن میں اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ حضرت ابوبکر نے کیوں حضرت عمر کی رائے منظور نہ کی۔ جو علانیہ ہی نہایت قابل اعتراض ہے

میں جہاں تک خیال کرتا ہوں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خالد کو اس جرم کا اصلی مجرم اس وجہ سے خیال نہ فرماتے تھے۔ کہ وہ آپ سے ہر قسم کی اجازت لیکر برائے غارت گری قبیلہ کے گیا تھا۔ اندریں صورت ہر کسی ایسے شخص کا ہر فعل و عمل گو وہ کیسا ہی بُرا ہو۔ حقیقتاً شخص عامل کا فعل و عمل قرار نہ پائیگا۔ بلکہ وہ افعال و اعمال قبیحہ اسی کے دامن پر شرمناک دھبہ لگانے والے ہونگے۔ جو درحقیقت بانی ایسے افعال کا ہوگا۔ اور جب ہم اصلی غرض کو بھی مکرر دہراتے ہیں۔ جو خالد کی روانگی کا بظاہر ہوئی تو ہماری رائے قطعی درست اور صحیح ہوگی۔ کہ خالد کو برخلاف رائے حضرت عمر حضرت ابوبکر کا بری کرنا اسی لئے تھا کہ وہ خالد کے اعمال و افعال کو اس واقعہ میں عین اپنا فعل و عمل تصور فرماتے تھے۔ واقعات قتل مالک اور اُس کی قوم کے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ کہ مالک دراصل منکر زکوٰۃ نہ تھا۔ اگر وہ یا اُس کی قوم منکر زکوٰۃ ہوتی۔ تو وہ اپنی قوم سے کیونکر زکوٰۃ وصول کرتا۔ اور کیوں قوم اُسے زکوٰۃ دیتی۔ اور پھر وہ کیوں قوم کے فقرا پر تقسیم کرتا۔ البتہ اگر قصور تھا تو یہ تھا۔ کہ مالک حضرت ابوبکر کو خلیفہ حقہ رسول تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لہذا وہ انہیں زکوٰۃ دینا نہیں چاہتا تھا۔ اور جس کی تحصیل کا وہ منجانب پیغمبر عامل تھا۔ آنحضرت نے نہ ابوبکر کو خلیفہ بنایا تھا اور نہ حکم دیا تھا کہ مالک ابوبکر کو زکوٰۃ دے۔ یا ابوبکر اس سے زکوٰۃ وصول کرے۔ مالک و ابوبکر دونو اصحاب رسولؐ تھے۔ طلب و انکار زکوٰۃ کی بحث کم از کم ایک اختلافی مسئلہ تھا لیکن حکم ارتداد نسبت مالک اور اُس کی قوم کے کسی طرح درست نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ زکوٰۃ کا نہ دینا ابوبکر کو صرف مالک ہی کی زبان سے ظاہر ہوا تھا۔ نہ کہ تمام اس کی قوم کی زبان سے۔ پہلے اس کی قوم سے دریافت کرنا ضروری تھا۔ کہ آیا وہ خلیفہ کو زکوٰۃ دینے پر راضی ہیں یا نہیں۔ بغیر از تحقیق و دریافت انکا قتل صریح ظلم تھا۔ خصوصاً اُن کی عورتیں اور بچے کس گناہ میں ماخوذ ہوئے۔ ان کی نسبت کیسے سمجھا گیا۔ کہ وہ مانع زکوٰۃ ہیں۔ اور وہ کیوں اسیر کئے گئے؟ ہمارے قول کی تائید میں کہ مسئلہ زکوٰۃ اس وقت ایک نزاع اجتہادی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس امر سے بھی نہایت تائید ہوتی ہے کہ خود صحابہ کبار نے حضرت ابوبکر سے قتال مانعین زکوٰۃ کی شدومد سے مخالفت کی تھی۔ اور اُن کی یہ رائے تھی کہ مانعین زکوٰۃ

سے تعرض و قتال نہ کیا جاوے۔ اور اس بارہ میں جو احادیث رسول صحابہ نے پیش کی تھیں وہ بھی ان کی رائے کی موید تھیں۔ مگر حضرت ابوبکر نے ان کے جواب میں کوئی طمانیت بخش جواب نہ دیا۔ سوائے ازیں کہ میں ضرور ان سے قتال کرونگا۔ جو نماز اور زکواۃ میں فرق کریں اور اپنے دلی حب دنیا کو اس طرح ظاہر کیا۔ کہ واللہ یہ لوگ مجھے ایک بکری و یہ روایتے ایک عقال بھی اگر نہ دینگے تو میں ان سے ضرور لڑونگا۔ یہ قول آپ کا اس طرح قتال مانعین زکواۃ کے راز کو فاش کرنیوالا تھا۔ کہ جسے سنکر پھر اتباع خلیفہ میں خلاف نہ رہا۔ ہرچند اس سے پہلے سب کو سخت اختلاف تھا اور حضرت عمر کو تو اس درجہ مخالفت تھی۔ کہ ابوبکر جیسے رقیق القلب اور کمزور انسان کو ان پر قوت جسمانی سے کام لینا پڑا۔ اور حضرت عمر کے ساتھ وہ بے طور افعال کئے جن کے تذکرے سے سخت شرم کرنی چاہیئے۔ دیکھو کامل ابن اثیر۔ اسموقعہ پر یہ امر نہایت غور طلب ہے۔ کہ مالک آنحضرت کی طرف سے وصولی زکواۃ پر مقرر تھا۔ اور ابوبکر حسب عقیدہ سنیہ اجماعی خلیفہ تھے۔ تو امر اجماعی نص رسول کو توڑ نہیں سکتا۔ یہ امر کہ زکواۃ خاص خلیفہ کے ہاتھ دی جائے۔ یا صاحب زکواۃ بہ اختیار خود مستحقین پر تقسیم کرے۔ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ موافق رائے مالک بن نویرہ اسوقت تک اہلسنت عمل پیرا ہیں۔ اور اس کے خلاف کبھی علمائے اہلسنت نے فتوےٰ نہیں دیا۔ برابر مسلمان جو صاحب نصاب ہوتے ہیں اور زکواۃ نکالتے ہیں۔ وہ اپنا اختیار مستحقین زکواۃ پر تقسیم کا رکھتے ہیں گو ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کوئی صاحب نصاب بنظر مزید احتیاط زکواۃ کے مال کو کسی عالم مقدس کے پاس تقسیم کے لئے بھیجدیتا ہے لیکن کسی صاحب زکواۃ کو واجب ولازم نہیں کیا گیا۔ کہ وہ مال زکواۃ کو کسی شخص خاص کو برائے تقسیم حوالہ کرے۔ اگر صرف اپنے اختیار سے صاحب نصاب کو تقسیم مال زکواۃ کرنا ناجائز اور حرام اور باعث ارتداد قرار پائے۔ تو مالک بن نویرہ اور اس کی قوم کی طرح اس وقت کروڑوں سنی مسلمان مرد اور عورت زندہ و مردہ مرتد اور واجب القتل اور انکی اولاد و ازواج لایق اسیری مثل لونڈی و غلام تسلیم کرنے پڑینگے۔

اب ذرا مسٹر نامی و مسٹر منظہر صاحب انصافاً فرماویں کہ آیا حضرت ابوبکر کا خالد

کو بھیجکر اس طرح مالک کو قتل کرنا جائز تھا۔ کیا خالد کے یہ افعال قبیحہ حضرت ابوبکر کے سفید دامن پر (اگر کبھی زیب بدن ہُوا ہے) شرمناک سیاہ دھبہ نہیں لگا سکتے۔ جو بانی قتل و غارت گری اور اسیری و زنا کے ہوئے۔ کیا صرف مالک کا اپنے اختیار سے مستحقین زکواۃ کو زکواۃ کا تقسیم کرنا اس کے مرتد ہو جانے کا سبب قرار پا سکتا ہے اگر یہ امر واقعی سچ ہے۔ تب تو نامی صاحب اور مظہر صاحب کو احیائے سنت ابوبکر کے لئے اپنے ہم مذہب کے لاکھوں بلکہ کروڑوں مرد و عورت کو اس سلوک کا جو خالد نے مالک سے اور اُس کی قوم کے مرد و زن سے کیا۔ اُمیدوار رہنا چاہیئے۔ اگر یہ غلط ہے تو مہربانی فرما کر مجھے بتلایئے۔ کہ ایسے ہی عمل قبیح اور فعل شنیع کا نام حدود خداوندی میں تفریق نہ کرنے کا ہے۔ نعوذ باللہ من ہذا الاعتقاد۔

باب دوم

عہدِ خلافت ہزایکسیلنسی حضرت عمر اور اجرائے حدودِ الٰہیہ

اگرچہ میں بخوبی ظاہر کر چکا ہوں۔ کہ یہ بزرگوار علم نبوتی سے جاہل محض تھے ان کے دلوں میں ذرہ بھر علم نبوت سے کچھ نہ تھا۔ اور نہ اُن میں مادہ اخذ علوم تھا۔ یہاں پر جیساکہ حضرت ابوبکر کا ایک فیصلہ خاص متعلق حدود دکھایا گیا۔ اسی طرح ایک فیصلہ حضرت عمر کا بھی ملاحظہ ہو۔ جس میں آپ بعدم ثبوت مجرم کو بری فرماتے ہیں قبل ازیں کہ میں اس مقدمہ کے واقعات ذکر کروں۔ اس امر کا اظہار ضروری ہے۔ کہ بعض جرائم جو جسم انسان سے متعلق ہیں اور جن کا بیان کرنا بظاہر فحش یا خلاف تہذیب سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً بیان جرائیم خلاف وضع فطری یا دشنام دہی یا زنا وغیرہ۔ لیکن درحقیقت وہ داخل فحش یا خلاف تہذیب نہیں ہیں کہ ضرورت ان کے بیان کی مجبور کرتی ہے۔ جب کتب طب و ڈاکٹری بہ سلسلہ

تشریح بعض امراض اور نیز کتب فقہ میں بعض مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ اگر ان امور کا بیان داخل فحش یا خلاف تہذیب ہوگا۔ تو کتب طب ڈاکٹری اور فقہ ہر فرقہ کی اس قابل ہرگز نہ رہ سکیں گی۔ کہ انسان ان سے اپنی ضرورت کے موافق فایدہ حاصل کر سکے۔ جس مقدمہ کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اُس میں مجرم چونکہ جرم زنا میں ماخوذ تھا۔ لہذا واقعات میں جہاں شہادت گواہان ہے۔ ایسے الفاظ ہیں جو اس جرم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس لئے میں یہ ظاہر کرتا ہوں کہ وہ بیان داخل فحش نہیں ہو سکتا۔ اس مقدمہ کے واقعات کو اگرچہ جملہ مورخین نے اپنی اپنی تاریخ میں کم و بیش لکھا ہے۔ مگر میں تاریخ الرسل والملوک علامہ طبری اور علامہ ابن خلکان کی "تاریخ وفیات الاعیان سے لکھتا ہوں۔ جن میں بہت صراحت و وضاحت سے واقعات لکھے ہوئے ہیں۔ اور میں اس جگہ انہیں دونو تاریخوں کا اقتباس لکھتا ہوں۔ اگر کوئی واقعہ ضمناً کسی اور کتاب سے لکھا گیا۔ تو اس کا حوالہ بھی ضرور لکھونگا ۔

واقعات مقدمہ

۱۷ھ ہجری میں جبکہ ہز ایکسیلینسی حضرت عمر کی طرف سے ہز آنر حضرت مغیرہ گورنر بصرہ تھا۔ تو وہ روزانہ دو پہر کو گورنمنٹ ہوس سے نکل جایا کرتا تھا۔ اور ابو بکرہ سے جو غلام رسول اللہ تھے۔ راہ میں ملاقات ہوتی تھی۔ (دیکھو کتاب روض المناظر فی العلم الاوائل والاواخر مصنفہ قاضی القضاۃ ابوالولید محمد ابن شحنہ حنفی حلبی) وہ پوچھتے ہیں کہ آپ ہر روز کہاں جاتے ہیں۔ وہ جواباً کہتے مجھے ایک ضروری کام ہے اس لئے جایا کرتا ہوں۔ اس پر ابو بکرہ کہتے۔ کہ حاکم کے پاس لوگ آیا جایا کرتے ہیں۔ نہ کہ حاکم لوگوں کے پاس جائے۔ مگر بات یہ تھی کہ ام جمیل بنت عامر جو قبیلہ بنی ہلال میں ایک حسینہ اور جمیلہ تھی آپ اس پر عاشق تھے۔ اُس کا شوہر حجاج بن عتیک بن حرث بن وہب قبیلہ بنی ثقیف سے تھا۔ جو انصار میں منسوب تھے۔ لیکن وہ مرچکا تھا۔ تمام بصرہ میں اس عشق کا چرچا تھا۔ اور لوگوں کے کانوں تک یہ بات پہنچ چکی تھی۔ اس کی تاک جھانک میں

رہتے تھے۔ ام جمیل اور ابوبکرہ کے مکان برابر برابر تھے۔ بالاخانہ پر جس طرف ام جمیل کی خلوت گاہ کا دریچہ تھا۔ اُسی طرف ابوبکرہ کے بالاخانہ کی کھڑکی بالمقابل تھی۔ ایک روز اتفاقاً جبکہ ابوبکرہ نافع زیاد اور شبل جو سمیہ کے لڑکے ابوبکرہ کے مادری رشتہ کے بھائی تھے۔ معہ چند دیگر لوگوں کے بالاخانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا کہ ہوا کا تیز جھونکا آیا۔ جس کے باعث ابوبکرہ کی کھڑکی کا پٹ یا پردہ کھل گیا۔ اور وہ اسے بند کرنے کو اُٹھے۔ دیکھا کہ ام جمیل کی کھڑکی کا کواڑ بھی ہوا سے کھلگیا ہے۔ اور مغیرہ ام جمیل کے ساتھ مصروف زنا ہے۔ ابوبکرہ نے خوب پہچان کر لوگوں سے کہا۔ کہ ہم اور تم کیسی مصیبت میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ غور سے دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ اب سب نے بخوبی تمام معاملہ دیکھا۔ لوگوں نے پوچھا یہ عورت کون ہے۔ ابوبکرہ نے کہا کہ کھڑے ہوکر دیکھو۔ جب سب نے کھڑے ہوکر دیکھا تو اس کا چہرہ صاف نظر آنے لگا۔ اور سب نے پہچانا۔ کہ اُم جمیل ہے۔ ابوبکرہ اپنے مکان سے اتر کر ام جمیل کے مکان کے نیچے آکر بیٹھ گئے جب مغیرہ فارغ ہوکر نکلے۔ تو ابوبکرہ نے جھک کر سلام کیا۔ اور کہا کہ آپ کا راز ہم پر فاش ہوگیا۔ آپ ہم سے کنارہ کشی فرمایئے۔ مغیرہ جن کے دماغ میں ہوائے حکومت بھی بطلق متوجہ نہ ہوئے۔ کہ یہ کیا بکتا ہے۔ اور اسی حالت میں نماز ظہر پڑھانے مسجد کو روانہ ہوئے۔ ابوبکرہ بھی ساتھ ساتھ کہتا سنتا چلا اور مسجد میں پہونچکر مغیرہ کو خدا کی قسم دیکر نماز پڑھانے سے روکا۔ اور تمام لوگوں سے واقعات کا ذکر کیا۔ جو دیکھ چکے تھے۔ مگر لوگوں نے یہ رائے دی۔ چونکہ یہ حاکم ہیں۔ ان کو نماز پڑھانے دو۔ اور جو کچھ کہ تم نے اور تمہارے رفیقوں نے دیکھا ہے اُسے خلیفہ وقت کو لکھ بھیجو۔ ابوبکرہ مسجد سے آئے۔ اور بذریعہ رپورٹ تحریری تمام واقعات کی اطلاع حضرت عمر کو لکھ بھیجی۔ حضرت ہز ایکسلینسی عمر نے بملاحظہ رپورٹ حکم نافذ فرمایا۔ کہ مغیرہ معطل ہوکر جوابدہی الزام کے لئے حاضر مدینہ ہو۔ اور ابوموسےٰ اشعری تا صدور حکم ثانی مغیرہ کے قائم مقام ہوکر بصرہ میں رہیں۔ اور یہ بھی ابوموسےٰ کو حکم میں لکھا۔ کہ تمہیں ایسے مقام پر مقرر کیا جاتا ہے جہاں شیطان نے انڈے بچے دیئے ہیں۔ پس جو امر نیک ہو۔ اس کی پابندی کرنا۔ اور ابوبکرہ معہ دیگر گواہان فوراً روانہ

مدینہ کئے جائیں۔ بہ تعمیل حکم ہذا جب ابو موسےٰ اشعری بمقام بصرہ بمعہ اپنے ۱۹ ساتھیوں کے جن میں انس بن مالک اور عمران بن حصین اور ہشام ابن عامر وغیرہ تھے پہنچا۔ اور دارالامارہ میں آیا۔ تو مغیرہ نے عقیلہ نامی ایک عورت کو بطور ہدیہ دوستانہ بہ ایں خیال آنچہ برخود پسندی بہ دیگراں ہم بہ پسند" پیش کی۔ اور کہا کہ میں نے اسے آپکے لئے پسند کیا ہے۔ جب ابو موسےٰ نے مغیرہ سے چارج لیکر اسے سبکدوش کیا۔ تو مغیرہ معہ دیگر طلب شدگان روانہ مدینہ ہوئے۔ راستہ میں ہز آنر مسٹر مغیرہ نے قبیلہ بنی نمرہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ جب یہ گروہ کا گروہ وارد مدینہ ہوا۔ تو ہز ایکسیلنسی حضرت عمرؓ نے مغیرہ سے فرمایا۔ تو بڑا بے فکر اور پُر شہوت اور طویل العضو ہے۔ جس کی اصلی عبارت یہ ہے۔ (فارغ القلب سئل ین الشبق طویل الغرمول)۔

بالآخر حضرت عمرؓ نے اجلاس کیا۔ سب سے پہلے ابوبکرہ جن کی رپورٹ پر مقدمہ قائم ہوا تھا۔ شہادت کے لئے پیش ہوئے۔ ملزم نے عدالت کو توجہ دلائی۔ کہ ہر گواہ سے سوالات ذیل کئے جائیں:۔

(۱) انھوں نے مجھے کیونکر دیکھا؟ آیا میرا رخ ان کی طرف تھا یا پشت؟

(۲) عورت کو کیونکر دیکھا۔ اور اسے کس طرح پہچانا۔ اگر یہ میرے سامنے تھے۔ تو کیوں میں نے اپنے تئیں ان سے نہ چھپایا۔ اگر میرے پس پشت تھے تو کس وجہ سے انھوں نے میری طرف دیکھنا حلال سمجھا۔ کہ وہ میرے گھر میں دیکھتے۔ اور میری عورت پر نگاہ ڈالتے۔

اظہار ابوبکرہ گواہ

اصل سوالات کا مفہوم چونکہ جوابات سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا بوجہ طوالت سوال نہیں لکھے گئے۔

بجواب سوال عدالت بیان کیا کہ میں نے مغیرہ کو ام جمیل کی دو نو رانوں کے درمیان میں دیکھا ہے۔ ایسی حیثیت میں کہ گویا اسوقت میں ایک چیچک کے داغ کو دیکھ رہا ہوں۔ ام جمیل کی دو نو رانوں کے درمیان میں تھا۔

بجواب سوال عدالت بیان کیا کہ ہاں میں اس امر میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے

مغیرہ کے عضو کو ام جمیل کے اندام نہانی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جس طرح سو سلائی سرمہ دانی میں ڈالی جاتی ہے۔

بجواب سوال جرح ملزم کہا۔ کہ میں نے پس پشت سے دیکھا۔

بجواب سوال جرح ملزم بیان کیا کہ میں نے دشواری و تکلیف کر کے دیکھا تھا اظہار کے ختم ہونے پر حضرت ہزایکسیلنسی نے مغیرہ سے کہا۔ جا اے مغیرہ تیرا ایک ربع جاتا رہا۔

اظہار نافع گواہ دوم

بجواب سوال عدالت بیان کیا۔ کہ میں بھی وہی گواہی دیتا ہوں جو ابوبکرہ نے دی ہے۔ مکرر بدریافت عدالت کہا کہ ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ میں نے اسی طرح اُم جمیل کی شرمگاہ میں مغیرہ کے جسم کو آتے جاتے دیکھا۔ جس طرح سلائی سرمہ دانی میں ڈالی جاتی ہے۔ بلکہ بر مقام تیر تک پہنچ گیا۔ اس گواہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر نے مغیرہ سے کہا۔ جا اے مغیرہ تیرا نصف جاتا رہا۔

اظہار شبل گواہ

بجواب سوالات عدالت کہا کہ میری وہی شہادت ہے جو مجھ سے پیشتر میرے دو ہمراہی دے چکے ہیں۔ یعنے میں نے مغیرہ کے جسم کو عورت کے جسم میں آتے جاتے جس طرح سلائی سرمہ دانی میں آتی جاتی ہے دیکھا ہے۔

بجواب سوالات جرح ملزم بیان کیا۔ کہ میں نے سامنے سے دیکھا تھا۔ اس گواہ کی شہادت کے بعد حضرت عمر نے مغیرہ سے کہا۔ جا اے مغیرہ تیرے تین ربع جاتے رہے زیاد چوتھا گواہ بلایا گیا۔ وہ موجود نہ تھا۔ چنانچہ بذریعہ سمن طلب کیا گیا۔ جب وہ حاضر ہوا۔ تو عدالت نے مخصوص اُس کے لئے مسجد میں اجلاس کیا۔ اور تمام مہاجر و انصار جمع ہوئے۔ جب حضرت عمر نے جو اس فیصلہ کے منشی جج تھے۔ زیاد کو آتے دیکھا تو کہا۔ کہ میں ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں کہ خدا اسکی زبان سے ایک مرد مہاجر کو ذلیل نہ کریگا۔ یہ کہہ کر ایک چیخ بھی کیا۔ جیسے اردو میں ڈانٹ ڈپٹ

کہتے ہیں۔ (ابوالفرج کتاب آغانی میں عبدالکریم ابن رشید اور وہ ابوعثمان نہدی سے بہ سند خود لکھتے ہیں کہ جب پہلے گواہ نے گواہی دی تو عمر کا رنگ متغیر ہوا۔ اور دوسرے گواہ کی شہادت پر نہایت شدید شکستگی ان پر طاری ہوئی۔ تیسری گواہی پر یہ حالت ہوئی۔ کہ جیسے کسی نے ان کے چہرے پر خاک ڈالدی ہو۔ اور جب نوخیز جوان زیاد ہاتھوں کو ہلاتا ہوا آیا۔ تو خلیفہ نے سر اُٹھا کر بلند آواز سے یہ کہا۔ (ماعندک یا سلح العقاب) یعنے او عقاب کے بچے تیرے پاس کیا گواہی ہے۔ عبدالکریم کہتا ہے۔ کہ ابوعثمان نہجی نے حکایت صیحہ خلیفہ میں ایسا صیحہ کیا کہ قریب تھا مجھے غش آجائے) اس کے بعد ملزم اپنی جگہ سے چند قدم بڑھا اور گواہ سے کہنے لگا کہ خدا کو یاد کرو۔ اور روز جزا کو پیش نظر رکھو۔ کیونکہ خدا اور اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ اور امیرالمومنین عمر نے میرے خون کی حفاظت کی ہے۔ مگر یہ بات کہ تم وہ بات بیان کرو جو تم نے دیکھی ہو۔ اور تمہارا کسی منظر بد کو دیکھنا اس کا باعث نہ ہو۔ کہ جو بات تم نے نہ دیکھی ہو اُسے بیان کرو۔ قسم خدا کی اگر تم میرے اور ام جمیل کے پیٹ کے درمیان ہی ہوتے۔ تو بھی میرے جسم کو اس کے جسم میں جس طرح سلائی سرمہ دانی میں آتی جاتی ہے۔ نہ دیکھتے۔ زیاد کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں اور منہ سرخ ہوگیا۔ اور اپنا اظہار یوں شروع کیا۔

اظہار زیاد گواہ

بجواب سوال عدالت کہا۔ اے امیرالمومنین جس تحقیق سے لوگوں نے بیان کیا ہے ویسی میرے پاس گواہی نہیں۔ لیکن میں نے مغیرہ کو ام جمیل کے ساتھ صحبت کرتے ہوئے دیکھا۔ ہانپنے کی آواز سنی۔ عورت کو ملزم کے شکم کے نیچے دیکھا اور دونو کے مقامات مخصوصہ کھلے ہوئے پائے۔ بجواب سوال بیان کیا۔ کہ جیسے سلائی سرمہ دانی میں آتی جاتی ہے۔ اس طرح میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن مغیرہ کو ام جمیل کی ٹانگیں اُٹھائے ہوئے اس طرح دیکھا کہ گویا وہ دونو کان گدھے کے ہیں۔ اور مغیرہ کے دونو بیضے ہلتے ہوئے دیکھے۔ اور میں نے رگڑ کی آواز اور ہانپنے کی صدا سنی۔ بجواب سوال جرح بیان کیا۔ کہ میں عورت کو تو نہیں پہچان سکتا۔ مگر اسکا

مقام مخصوص پہچان سکتا ہوں جسے میں نے دیکھا تھا +
اس اظہار کے خاتمہ پر حضرت عمرؓ نے خوشی کی تکبیر بلند کی۔ اور زیادہ کا اظہار بہت پسند کیا +

ججمنٹ (فیصلہ)

چونکہ ایک گواہ زیاد نے اس امر سے انکار کیا۔ کہ میں نے اس حیثیت سے وہ فعل نہیں دیکھا۔ جیسے سلائی سرمہ دانی میں آتی جاتی ہے۔ اس کی گواہی برائے ثبوت اس جرم کے ناکافی ہے۔ اور جس حالت میں منجملہ چار گواہان جو اس جرم کے ثبوت کے لئے مقرر ہیں۔ ایک شہادت ناکافی ہے۔ اور بدیں وجہ نصاب شہادت پورا نہیں۔ لہٰذا ملزم کو فائدہ بریت کا ملنا چاہیئے۔ نظر براں

حکم ہُوا کہ

ملزم بری ہو کر اپنے عہدہ پر بحال ہُوا۔ اور ابوبکرہ۔ نافع اور شبل گواہان کو اسّی اسّی کوروں کی سزا دیجائے۔ چنانچہ عدالت نے اپنے روبرو اپنے حکم کی تعمیل مغیرہ کے ہاتھ سے کرائی +

اس مقدمہ کے واقعات حضرت عمرؓ کو چند طعن سے بچا نہیں سکتے۔ اور جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اجرائے حدود خداوندی میں ان سے سخت غلطی ہوئی۔ یہ امر ہر ایک کو قبول ہے۔ کہ تین گواہوں نے اپنی شہادت میں وہ کلمہ کہا۔ جس سے مجرم کا بری ہونا غیر ممکن تھا۔ لیکن زیادہ گواہ چہارم نے اپنی گواہی میں خاص اس کلمہ کا تلفظ نہیں کیا۔ لیکن دوسرے آثار اور علامات ایسے صاف اور صریح بیان کئے کہ جن سے سلائی کا سرمہ دانی میں آنا جانا لازم آتا ہے۔ اور اس پر قطعی یقین ہو جاتا ہے۔ اور مثل وجود آفتاب متیقن ہوتا ہے کہ زیاد بھی اسی طرح کی گواہی کے لئے پورا تیار تھا۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ اس مقدمہ میں مجرم کے طرفدار تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنی بدنما تدبیر سے اس شہادت کو پورا نہ ہونے دیا۔ ان کی جو طرفداری مجرم کے ساتھ دی۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ کہ قبل از شہادت گواہ انہوں نے اپنے خاص کلمہ (انی اریٰ رجلاً لن یخزی اللہ علی لسانہ رجلاً

من المہاجرین) سے گواہ کو تلقین کی۔ اور اپنا منشا ظاہر کر دیا۔ کہ گواہ شہادت کے وقت ایسا پہلو رکھے کہ مجرم کی بریت کے لئے گنجائیش ہو۔ اس مقام پر یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ زیادہ گواہ کیوں غیر حاضر تھا۔ اور جب وہ بذریعہ حکم تحریری حاضر ہؤا۔ تو کیوں مہاجر و انصار کا مجمع ہؤا۔ اور پھر اس کا اظہار کیوں مسجد میں لیا گیا۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جو حضرت خلیفہ کی نسبت بہت اشتباہ پیدا کرتے ہیں۔ واقعات سے یہ امر ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ ملزم حضرت عمر کا آوردہ تھا ہمارا تجربہ اس امر کا ظاہر کرنیوالا ہے۔ کہ اپنے آوردے کی حکام طرفداری کیا کرتے ہیں۔ گواہ کی غیر حاضری اس امر کی بیّن اور صاف دلیل ہے۔ کہ وہ خود غیر حاضر نہ تھا۔ بلکہ اُسے غیر حاضر کرایا گیا۔ کیونکہ جب حضرت عمر کو تین گواہوں کی شہادت سے معلوم ہو گیا۔ کہ ان کی ایک ہی شہادت ہے۔ تو زیاد کو نوجوان اور نوعمر دیکھ کر یہ ترکیب کی گئی۔ تاکہ وہ اس عرصہ میں اخبار و حالات طرفداری حضرت خلافت پناہی سنکر اپنی گواہی کو بگاڑنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور یہ بھی عجب نہیں۔ کہ بعض معتمدین کے ذریعہ جو اس کام پر مامور کئے گئے ہوں۔ یہ حالات عمداً اس تک پہنچائے گئے ہوں۔ علاوہ ازیں تاخیر شہادت زیاد میں یہ بھی ارادہ تھا۔ کہ اور لوگوں کی جو گواہی بتائید جرم دیں گے۔ پہلے شہادت ہو جائے۔ تاکہ ان کے بعد شہادت گواہ چہارم بحق مجرم مفید ہونے پر گواہان ماسبق پر حد جاری کرنے کا عمدہ موقعہ ملے۔ کہ جنہوں نے تہدید سلطانی کی پرواہ نہیں کی۔ اور برخلاف منشائے جج کے شہادت ثبوت جرم کی دی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اور جب گواہ آیا تو اسے دیکھ کر یہ جملہ (اری ادجہ رجلاً لا یفضح اللہ رجلاً من المہاجرین) تلقین کی گئی۔ اور (ما عندک یا سلح الحبارہی) کے صیحہ سے مرعوب کر دیا گیا ان باتوں نے گواہ کو پورا یقین دلایا کہ جو باتیں اُس کے کانوں تک شہادت بگاڑنے کے لئے بعض کے ذریعہ سے پہونچی ہیں۔ وہ بالکل صحیح اور درست ہیں اور بذریعہ حکم تحریری گواہ کی طلبی اور مسجد میں شہادت کا لیا جانا حضرت عمر کی اعلےٰ درجہ کی دور اندیشی تھی۔ میں اس امر کو زور سے کہہ سکتا ہوں کہ ملزم بھی اس راز سے آگاہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُس نے بڑی جرات اور دلیری اور

قلبی طمانینت سے گواہ سے وہ بات چیت کی جو شہادت شروع ہونے سے پہلے کی تھی۔ گواہ کو ایک گونہ تخویف تھی۔ جس کا بجز اس کے کچھ مقصود نہیں قرار پا سکتا۔ کہ جب ملزم کے خون کا خود جج محافظ ہے۔ تو جج کے خلاف مرضی کون شہادت دیکر اپنے لئے مضرت کا مواد جمع کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ آجکل کی بے رو ورعایت عدالت اگر کسی موقعہ پر ایسی پاسداری کرتی ہے۔ تو پبلک اس عدالت کو بری نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور چاہئے بھی ضرور ایسوں سے نفرت۔ میں نے اس امر کی جرات کہ ملزم بھی اس راز سے آگاہ تھا۔ زور کے ساتھ کہنے کی اس وجہ سے کی ہے۔ کہ اس کی تائید دیگر واقعات کے قرائن بھی کرنیوالے ہیں

جس وقت کہ ابو موسےٰ انچارج گورنر بصرہ نے مغیرہ سے عہدہ کا چارج لیا۔ اور مغیرہ کو سبکدوش کیا۔ تو اسی وقت مغیرہ کو ابو موسےٰ سے اپنی نسبت حضرت عمر کے خیالات معلوم ہوئے۔ اسی خوشخبری کے صلے میں مغیرہ نے ایسی عورت جو اسم با مسمٰے تھی اپنے قائم مقام کے نذر کی۔ جس میں یہ دور اندیشی مغیرہ نے مضمر رکھی تھی۔ کہ وہ عورت اپنے دلفریب انداز سے میری نسبت اس اتہام کے غلط ہونے کا ابو موسےٰ کو یقین دلائے گی۔ تاکہ کانفیڈنشل رپورٹ میں ابو موسےٰ مغیرہ کے چال چلن کی نسبت خلیفہ کو اطلاع دیتے ہیں اس واقعہ کو غلط ثابت کرے۔ ورنہ بہ حیثیت ہم رتبہ ہونے کے ایسے شکریہ اور رشوت کی ضرورت نہ تھی۔ جبکہ مغیرہ جانتا تھا کہ بہ حیثیت موقوفی کے میں پھر یہاں نہیں آسکتا۔ یا میرا کوئی تعلق آئندہ ابو موسےٰ سے بہ حیثیت ماتحتی کے نہیں رہ سکتا۔ کہ میرا آج کا تحفہ گربہ کشتن روز اول کا اس کے لئے مصداق ہو ✦

علاوہ ازیں ہمیں سخت تعجب ہے۔ کہ ایک ایسا ملزم جو تہمت زنا میں ماخوذ ہو قبل اس کے کہ دربار خلیفہ میں پہنچکر اپنے الزام کی جوابدہی کی کوشش کرے۔ نہایت طمانیت کے ساتھ راستہ میں اپنے نفس کی خوشنودی کا اور انتظام کرنے والا ہو۔ حالانکہ تجربہ اور قانون فطرت ہم کو بتلا رہا ہے۔ کہ متالم واقعات ہر قسم کے امور سرور کو منقطع کرنے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس امر میں شک نہیں ہو سکتا۔ کہ مغیرہ کو ضرور پہلے سے اپنی برئیت کا علم حاصل تھا۔ اور فقرہ

(وکنت اعلم ان کلمتہ اقولها فلما رای عمر زیاد مقبل قال انی اری رجلاً لن یخزی اللہ علیٰ لسانہ رجلاً من المہاجرین) بھی اسی امر کا موید ہے: دیکھو آغانی مولفہ ابوالفرج اصفہانی۔ ویسے ہی ان امور سے یقین ہوتا ہے۔ کہ حضرت ہز ایکسیلنسی عمر نے سعی بلیغ کی کہ مغیرہ سزائے جرم سے محفوظ رہے۔ اور جس میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر گواہ کی تلقین تھی۔ اور ایسا قول و فعل ان کا اپنی غرض پر کامیابی کے لئے سراپا زبون تھا۔ کہ جس کے باعث وہ اپنے عہدہ پر برقرار نہیں رہ سکتے تھے۔ جو شخص کہ مجرم کی ایسی طرفداری کرے۔ اور اپنی خواہش کو اس طرح پورا کرے کیا اس کی نسبت یہ کہنا روا ہو سکتا ہے۔ کہ اس نے اجرائے حدود خداوندی میں کسی کا لحاظ ملحوظ نہیں رکھا۔ اور بلا جنبہ و طرفداری حدود خداوندی کو جاری کیا۔

ہز ایکسیلنسی عمر نے جس طرح بے بنیاد امر پر مجرم کو سزا سے چھوڑ دیا۔ جو بیگناہ کو سزا دینے کے برابر ہے۔ سعدی نے ایسے ہی واقعہ کی نسبت کہا ہے ؎

نکوی بابداں کردن چنانست   کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

ویسے ہی خلافت مآب نے تین گواہوں کو بیگناہ سزا دی۔ جنہوں نے انکے منشا کے خلاف وہ خاص کلمہ کہا تھا۔ جس کے باعث وہ اپنے نزدیک مغیرہ کو الزام سے بری نہیں کر سکتے تھے۔ بیشک قرآن میں یہ حکم ہے کہ جن عورتوں سے بدکاری ظہور میں آوے۔ ان پر چار گواہ طلب کئے جائیں۔ سورۂ نساء پارہ چہارم (والاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم الی آخرہٖ) جس کا مقصود یہ ہے کہ بغیر چار گواہوں کے جرم کو ثابت نہیں سمجھنا چاہئے۔ اور جس کی وجہ خاصہ یہ ہے۔ کہ شریعت محمدیہ میں زنا امر عظیم سمجھا گیا ہے۔ اور فی الحقیقت ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ کہ زنا مورث ایسی بداخلاقیوں کا ہے۔ کہ جس کے باعث ناحق کسی کا متروکہ کسی کی طرف چلا جاتا ہے +

لیکن قرآن میں ایسے معاملہ کی نسبت یہ بھی حکم نہیں ہے۔ کہ صرف نصاب کے پورا نہ ہونے کے سبب سے گواہوں کو سزا دی جائے۔ اگرچہ وہ سچے ہوں۔ فرض کیجئے کہ اگر کسی پر تہمت زنا کی کی جائے۔ اور چار سے زیادہ گواہ اس پر شہادت دیں۔ اور درحقیقت وہ الزام بھی تہمت ہو۔ تو کیا جھوٹے گواہوں

سبب سے جرم زنا ثابت مان لیا جاویگا؟ ہرگز نہیں۔ گواہوں کو اسیوقت سزا دی جا سکتی ہے جب اُن کی شہادت جھوٹی ثابت ہوجائے۔ خواہ وہ جھوٹی گواہی ان کے معاملہ زنا میں ہو یا کسی دوسرے معاملہ میں ✦

معاملہ اتہام زنا میں جو اسّی کوڑوں کا قرآن میں حکم ہے۔ وہ گواہوں کے واسطے نہیں ہے۔ وہ حکم قرآن یہ ہے۔ (والذین یرمون المحصنات ثم یاتوا باربعہ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولاتقبلوالھم شہادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون) ترجمہ جو لوگ تہمت زنا کی لگاتے ہیں۔ پاک دامن شوہردار عورتوں کو یا مردوں زوجہ والوں کو پھر نہ لائیں چار گواہ۔ پس کوڑے مارو تم اُن کو اسّی کوڑے۔ اور نہ قبول کرو تم اُن کی گواہی کبھی اور وہ لوگ فاسق ہیں ✦

اس آیہ مجیدہ سے ظاہر ہے۔ کہ تہمت لگانے والے زنا کے علیحدہ لوگ ہیں جو چار گواہ نہ لانیوالے ہیں۔ اور گواہ علیحدہ ہیں۔ اور تہمت زنا لگانے والوں کے لئے اسّی کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ نہ گواہوں کو۔ اور انہیں تہمت زنا لگا والوں کے لئے حکم ہے کہ انکی شہادت کبھی نہ قبول کی جائے کہ جن کا افترا ظاہر ہو چکا ہو۔ چنانچہ اسی کی تائید آیہ مجیدہ آیندہ سے ہوتی ہے۔ جس میں خدا نے اس صورت معاملہ میں قاعدہ بتایا ہے۔ کہ جب شوہر زوجہ پر تہمت لگائے۔ اور کوئی گواہ نہ ہو۔ تو ضرب تازیانہ سے بچنے کے لئے چار مرتبہ خود اس کو گواہی دینی چاہیے۔ اور پانچویں مرتبہ لعنت خدا اپنے اُوپر قبول کرنا اگر وہ شوہر جھوٹا ہو اور اسی طرح عورت کے لئے چار مرتبہ گواہی دینا اور پانچویں دفعہ غضب الٰہی کو قبول کرنا اگر شوہر اس کا سچا ہو ✦

ایک اور روایت آیندہ سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ چار گواہ نہ لانے کیحالت میں تہمت لگانے والے کو خدا نے کاذب فرمایا ہے۔ نہ کہ گواہوں کو۔ آیت (لولا جاؤ علیہ باربعۃ شہداء فاذلم یاتوا بالشہداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون) ترجمہ اگر نہیں لائے وہ اس پر چار گواہ۔ پس اگر نہیں لائے گواہ۔ پس وہ لوگ نزدیک خدا وہی جھوٹے ہیں ✦

ان آیات سے کچھ شبہ نہیں رہتا۔ لیکن ہز ایکسیلنسی عمر نے بہ حیثیت مدعیان کاذب کے ان پر کوڑے لگائے۔ نہ بہ حیثیت گواہان کاذب کے اور انہوں نے نصاب شہادت پورا نہ ہونے کے سبب کوڑے لگوائے نہ شہادت کاذب کے سبب سے کیونکہ وہ گواہوں کو جھوٹا نہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ہم آگے ذکر کرینگے۔ اس معاملہ میں بنظر واقعات یہ کہنا ممکن نہ تھا۔ کہ الزام لگانیوالا ابو بکرہ تھا۔ اور دوسرے لوگ گواہ تھے۔ لیکن ہز ایکسیلنسی کا اس کو منجملہ شہود کے قبول کرنا اور سب سے پہلے اُسی کی گواہی لینا اور اُس کی شہادت کے بعد مغیرہ سے کہنا کہ تیرا چوتھا حصہ جاتا رہا (دیکھو آغانی) یہ سب ایسے امور ہیں جن سے اس کہنے کی ذرا بھی گنجائش نہ رہی۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ چاروں شخص اتہام لگانے والوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور گواہوں کی بھی۔ اور یہ بات مان بھی لی جائے۔ تو زیاد چوتھا گواہ بغیر کسی شبہ کے قابل سزا تھا۔ کہ اُس نے تہمت زنا کی علانیہ لگائی۔ اور سرمہ دانی میں سلائی کی طرح جانا بیان نہ کیا۔ اصل تہمت اسی کا نام ہے۔ کہ دعوے ہو اور شہادت مطلق نہ ہو۔ لیکن حضرت ہز ایکسیلنسی عمر نے اس کو کوڑے نہ لگوائے۔ کیا ہر پہلو سے غلطی کرنے اور رو و رعایت سے فیصلہ کرنیکا نام اجراء حدود خداوندی ہے۔ پھر کیا حضرت عمر نے اس کا بھی امتیاز نہ کیا۔ کہ کسی امر کا عدم ثبوت خواہ کمی نصاب گواہوں کی وجہ سے ہو۔ خواہ کسی اور وجہ سے اور چیز ہے۔ اور کسی بات کا جھوٹا ثابت ہو جانا اور چیز ہے۔

یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ حضرت عمر اس اصول کو نہ جانتے تھے۔ یا اس کی امتیاز کی قابلیت ان میں نہ تھی۔ لیکن اتنا کہنے سے میں باز نہیں رہتا کہ اُن کے دل میں کوئی ایسی چیز تھی کہ جس نے ان کو دیدہ دانستہ اس فرق کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا۔ ان واقعات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس کو ہر ذی عقل بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت خلافت پناہی اجرائے حدود الٰہیہ میں عمداً رو و رعایت فرماتے تھے۔ جو ایک مدعی خلافت پیغمبر کے لئے نہایت شرم کی بات ہے۔ اور اسی قدر واقعات اور ان پر محققانہ رائے نامی و منظر صاحب کے دعوے کے ابطال کے لئے کافی ہیں۔ اور اُمید ہے کہ

آئندہ نامی و منظر صاحب ایسے شخص کو حدود الٰہی کے پیرو و رعایت جاری کرنے والا اور عادل و فاروق کے خطاب سے یاد فرمائینگے۔ چنانچہ آپ کے مزید اطمینان کی خاطر مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مباشرت قلبی کو بھی لگے ہاتھوں لکھوں جو اس شہادت پر حضرت عمر (ج) کو ہوئی۔ تاکہ قطعی اس امر کا فیصلہ ہو جاوے کہ کیسی ظالمانہ کارروائی اس مقدمہ میں جج نے کی۔ اور ہرگز ہرگز کوئی معزز گورنمنٹ اور اس کی مملکت کے مہذب لوگ کسی ایسے بادشاہ وقت یا اس کے کسی ایسے حاکم کو جس کے ایسے رعایتی فیصلے ہوتے ہوں۔ سلطان عادل یا منصف نہیں کہہ سکتے۔ حضرت عمر ایک دفعہ حج میں تھے۔ اور یہی مغیرہ ہمراہ تھا۔ کہ اتفاقاً حضرت عمر اور انہیں ام جمیل سے چار آنکھیں ہوئیں۔ اسے دیکھ کر عمر نے مغیرہ سے کہا۔ اسے پہچانتے ہو؟ اس کم بخت دشمن خاندان رسالت نے جواب میں معاذ اللہ کہا کہ ہاں۔ ام کلثوم بنت علیؑ ہے (مسٹر منظر! آپ دعویٰ سیادت فرماتے ہیں۔ ذرا غور سے اس مقام کو دیکھئے۔ اور غیرت سے کام لیجئے۔) الغرض یہ سنکر عمر نے مغیرہ سے کہا۔ تو تجاہل کرتا ہے۔ میرا ہرگز یہ گمان نہیں۔ کہ ابوبکرہ نے جھوٹی شہادت دی تھی۔ اور میں جس وقت تجھ کو اپنے پاس کھڑے دیکھتا ہوں ڈرتا ہوں کہ آسمان سے پتھر مجھ پر گرینگے۔ (دیکھو تاریخ ابن خلکان) +

اب میں منظر صاحب کو مخاطب کر کے عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ نے قرآن السعدین میں بڑے زور سے دعوئے عقد ام کلثوم عمر سے کیا ہے۔ ذرا انصاف سے کہیے کہ مغیرہ نے حضرت عمر کے روبرو کس بے ادبی اور جسارت سے جرأت کی۔ اس کی زبان قطع کرنی چاہئے تھی۔ نہ اس حیثیت سے کہ اس نے دختر علی کی نسبت استہزا کیا۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ اس نے بقول آپ کے زوجہ عمر کا مذاق اڑایا۔ اور علاوہ بریں ایک زانیہ سے زوجہ عمر کو نسبت دی۔ لیکن آپ کے خلیفہ صاحب کو ذرا غیرت نہ آئی۔ کہ مغیرہ کو سزا دیتے اور کہتے تو کون نالایق پاجی ہے۔ کہ ہماری زوجہ کا استہزا کرتا ہے۔ میرے خیال میں اگر کوئی بے ادب ایسا کلمہ آپ کے حق میں استعمال کرے۔ حالانکہ آپ حسب اعتقاد خود غلام غلامان عمر یہ کی بلاحیثیت بھی نہیں رکھتے۔ ضرور بباعث غیرت و حمیت آپے سے باہر ہو جائینگے

اور یہی چاہینگے کہ اس کہنے والے کو عبرت ناک سزا دلادیں۔ مگر آپ کے خلیفہ صاحب کی رگ غیرت وحمیت ذرا بھی متحرک نہ ہوئی۔ لہذا میں جہاں تک غور کرتا ہوں۔ یہی امر پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے۔ کہ یہ واقعہ عقد سراسر مفتریوں کی افترا پردازی ہے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ حضرت عمر جنسے شیطان بھاگتا ہے۔ معاذ اللہ اپنی عورت کی نسبت یہ سنکر خاموش رہتے۔ چنانچہ انشا اللہ بحث عقد میں اس کا بخوبی اظہار کرونگا۔ کہ یہ بھی دشمنان خاندان رسالت نے جھوٹا اتہام اہلبیت نبوت پر لگایا ہوا ہے۔ علاوہ بریں ذرا غیرت ہاشمیت کو کام میں لایئے اور چشم انصاف سے دیکھیئے کہ ان حضرات کے پاس اہلبیت رسالت کی کیا عزت و وقعت تھی۔ اور یہ لوگ خاندان نبوت کو کن نظروں سے دیکھتے تھے فاعتبروا یا اولے الابصار ۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اب آپ ایمان سے بتلایئے۔ کہ جب حضرت عمر شہادت ابوبکرہ سے اس درجہ مباشرت قلبی اور اطمینان کلی حاصل کر چکے تھے۔ کہ دوسری شہادت کی ثبوت جرم کے لئے ضرورت نہ تھی۔ اور انتہا یہ کہ بری شدہ مجرم کو جب اپنے پاس کھڑے دیکھتے۔ نزول عذاب الہی سے ڈرتے۔ لیکن باوجود اس مباشرت قلبی وعلم کامل کے گواہ کو اپنی خاص عنایت آمیز تقریر سے تلقین کرنا اور یہ منشا ظاہر کرنا کہ وہ گواہی میں ایسا پہلو رکھے کہ مجرم کی بریت کا پہلو نکل آئے۔ اور یہ کر گذرنا کہ ایک مجرم جو نفس الامر میں مرتکب جرم عظیم ہوا ہے اس حیلہ سے چھوڑ دیا جاوے۔ اور تین شخص اصحاب کبار رسول ؐ سے جو درحقیقت بالکل بے قصور اور نہایت سچے ہوں۔ اور دردِ دین سے سچی گواہی دینے آئے ہوں۔ سخت سزا یاب کئے جاویں۔ یہ ظلم عظیم کیا ایک سچے نائب رسول ؐ کا کام ہو سکتا ہے۔ اور ایسے شخص کی نسبت یہ مانا جا سکتا ہے۔ کہ اجرائے حدود خداوندی میں وہ ہرگز تفریق و امتیاز نہ کرتا تھا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت ابوبکر اور انکے اعلیٰ لیاقت والے خلیفہ حضرت عمر کے یہی دو مقدمات کہ جن میں انہوں نے اجرائے حدود خداوندی میں فرق و امتیاز نہیں کیا۔ میرے لائق ذی فہم تاریخدان مظہر نامی صاحب کو بنظر تحقیق غور کرنے کے لئے اور شاید انصافاً دعوے سے منہ ملانے کے لئے بھی

کافی ہیں۔ اور کچھ ضرورت نہیں کہ عہد خلافت ثالث کا بھی کوئی مقدمہ لکھوں۔ مگر بپاس خاطر نامی و مظہر صاحب ان کے تیسرے خلیفہ کا بھی ایک مقدمہ لکھے دیتا ہوں

باب سوم

اجرائے حدود الٰہیہ بہ زمانہ خلافت عثمانیہ

اس بزرگوار نے صحابہ کرام رسول ؐ کے ساتھ جو کچھ جبر و ظلم کئے اور جو شداید مقبول صحابہ کے ساتھ عمل میں لائے صفحات تاریخ پر مفصلاً درج ہیں۔ اور جنکو پچے اور ایماندار مسلمان جس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دیکھنا چاہئے مجھ کو اُس کی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد کیجئے حضرت ابوذر غفاری ؓ و عمار یاسر اور ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کے ساتھ ان کا طریق عمل جو اُن کے ساتھ کیا گیا۔ مجھے تو اب تک تحقیق نہیں ہوا کہ وہ بیچارے کس جرم کی پاداش میں حدود کے سزا دار ہوئے۔ جو ان پر جاری کی گئیں۔ البتہ یہ گناہ ان کا ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ ان کو افعال قبیحہ پر متنبہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور افعال و اعمال خلافت خدا و سنت رسول ؐ سے انکو روکتے تھے۔ یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے جس شرط کی بنا پر مسند خلافت ان کے سپرد کی تھی وہ بھی ان سے عدم پابندی شرائط کیوجہ سے برگشتہ ہوئے۔ اور تمام مواددں کا جو نتیجہ ہوا۔ بالآخر اس نتیجہ نے ان کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرایا۔ اور بعد قتل بھی ان کی نعش کو تین روز تک جس مقام پر پڑے رکھا وہ ایک نہایت ہی مکروہ مقام تھا۔ جہاں پر نعش بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ اور آخرکار اُن کو دفن بھی نصیب ہوا تو ایسے لوگوں کا مقبرہ کہ جس کا پتہ بی بی عائشہ پیاری زوجہ رسول ؐ کے اس فتوے سے کہ (اقتلوا نعثلاً) بخوبی مل سکتا ہے۔ (دیکھو تاریخ روضۃ الصفا)

اعثم کوفی) اس میں شک نہیں جہاں کا مُردہ ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ سچ ہے۔ "خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو"۔ ان صحابہ رسولؐ کے ساتھ جو سلوک حضرت عثمان نے کیا۔ اس کا تذکرہ اس لئے کیا گیا۔ تاکہ آپکو معلوم ہو جائے۔ کہ جہاں حدود خداوندی انہوں نے جاری کئے۔ وہاں بلا ثبوت جرم خلاف منشائے خدا و رسولؐ جاری کئے۔

اب میں ایک مقدمہ ان کا ایسا دکھاتا ہوں۔ کہ جہاں آپ نے مجرم کو باوجود ثبوت جرم بوجہ اقبال مجرم مجرم کو کچھ سزا نہیں دی۔ اور جس کا نتیجہ برخلاف دعوے حامی و منظر صاحب یہ ہوتا ہے۔ کہ بیشک وہ اجرائے حدود خداوندی میں خویش و بیگانہ کا لحاظ کرنیوالے تھے۔ اور ہرگز بلا رو و رعایت وہ فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ اہل سیر متفق ہیں کہ حضرت عبید اللہ صاحبزادہ عمر سے ان کے باپ کے قتل کے روز عبد الرحمٰن صاحبزادہ حضرت ابوبکر نے یہ خفیہ رپورٹ کی کہ میں نے کل شام کو دیکھا کہ ہرمزان اور ابو لولو بطور راز آپس میں چپکے چپکے کچھ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جونہی مجھے دیکھا اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور گھبراہٹ میں ان کے پاس سے ایک خنجر گر پڑا۔ اس خنجر کے دو سرے تھے اور بیچ میں دستہ تھا۔ میں شناخت کرتا ہوں کہ یہی وہ خنجر تھا جس سے تمہارے باپ قتل کئے گئے۔ (دیکھو کامل ابن اثیر و اعثم کوفی و روضۃ الصفا وغیرہ) لیکن مجھے افسوس ہے کہ جو خبر مسٹر عبد الرحمٰن نے عبید اللہ کو دی تھی وہ خود غلط تھی۔ اور جس پر قتل کا قیاس کیا گیا تھا۔ اس کی اصلیت کو اہل سیر نے عماذیان ابن ہرمزان کی زبانی تحقیق کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک روز فیروز عرف ابولولو ہرمزاں کی طرف سے گذرتا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں خنجر تھا جس کے دو سرے تھے۔ ہرمزاں نے اس خنجر کو فیروز سے لیکر دیکھا اور پوچھا اسے کیا کرو گے۔ اس نے کہا کہ تیز کرونگا۔ جس وقت یہ بات چیت ہو رہی تھی۔ ایک تیسرے شخص نے عبید اللہ کو جاکر یہ کہدیا کہ یہ خنجر ہرمزاں نے فیروز کو دیا تھا۔ اور اس بنا پر عبید اللہ نے ہرمزاں کو مار ڈالا۔

بہر حال عبید اللہ نے عبد الرحمٰن سے یہ خبر سنکر ابو لولو اور ہرمزاں اور تیسرے ایک شخص کو جس کا نام جہینہ تھا۔ اور وہ نصرانی اہل حیرہ اور پشتینی پناہ سعد بن مالک

تھا۔ قتل کر ڈالا۔ ہرمزان کے جس وقت تلوار لگی ہے۔ اس کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا۔ (دیکھو کامل ابن اثیر و اعثم و روضۃ الصفا وغیرہ)

اس روایت سے پایا جاتا ہے۔ کہ ابولولو کو عبید اللہ نے مار ڈالا۔ مگر بخاری کی روایت اس کے خلاف ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب ابولولو نے حضرت عمر کو مسجد میں قتل کیا۔ اور بھاگا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ اگرچہ اس نے ان لوگوں کو مجروح کیا۔ لیکن اسی وقت وہ اسی خنجر سے اپنی جان پر کھیل گیا۔ ہم برخلاف بخاری روایت کامل ابن اثیر کو قبول نہیں کرتے۔ کہ ابولولو عبید اللہ کے ہاتھ سے قتل کیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ یہ امر بعید از عقل ہے۔ کہ ابن عمر ابولولو ایسے جری اور بہادر شخص کے مقابل آئے۔ جو اپنا سر ہتھیلی پر لئے پھرتا ہو۔ اور جس نے ایک ایسے پُر رعب و ہیبت و صولت والے خلیفہ کو مسلمانوں کے مجمع عامہ میں بلاخوف قتل کیا ہو۔ جس کی صولت و ہیبت کا ایک گروہ کثیر قائل ہے۔ لہذا ہم علامہ طبری کی اس تحقیق سے تائید کرتے ہیں۔ کہ عبید اللہ نے ابولولو کی ایک دختر صغیرہ کو قتل کیا تھا۔ اور اس کے درست ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ایسی جرات اور دلیری حضرت عبید اللہ ابن عمر میں بذریعہ اثر نسلی موروث ہو سکتی ہے۔ عبید اللہ بن عمر نے جب یہ چند پے در پے خون کئے۔ قبل اس کے کہ مجلس شوریٰ تعین خلیفہ کر دے۔ عام طور پر مہاجر و انصار سے کہتے۔ کہ قسم بخدا ابھی ہیں اور لوگوں کو قتل کرونگا۔ جو میرے باپ کے خون میں شریک ہیں۔ (دیکھو کامل ابن اثیر و اعثم وغیرہ) تو سعد ابن وقاص نے انکو گرفتار کرکے اپنے مکان میں قید کر دیا اور انکی تلوار ضبط کرلی۔ جب عثمان خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور مسجد نبوی میں آکر اجلاس کیا۔ تو سب سے پہلے جو مقدمہ اُن کے روبرو پیش ہوا۔ وہ انہیں تین بیگناہوں کے خون کا تھا۔ جو گرفتار شدہ ملزم عبید اللہ ابن عمر کے ہاتھوں ہو گئے۔ اور جن میں ان کے باپ کے قاتل کی صغیر السن لڑکی تھی۔

حضرت عثمان کے طلب پر گرفتار ملزم حاضر لایا گیا۔ عثمان نے ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے۔ دریافت کیا۔ کہ ایسے شخص کے بارہ میں جس نے اسلام میں ایسا رخنہ ڈالا۔ مجھے مشورہ دو۔ افسوس اس امر کا ہے کہ یہ مقدمہ ایسا نہ تھا۔

کہ جس میں ملزم پر شہادت ثبوت، و صفائی مساوی درجہ رکھنے والی ہوں۔ ملزم
خود اقراری تھا۔ اور شہادت ثبوت اس پر مزید تھی۔ جو کسی طرح ملزم کو رہائی کا
پہلو نہیں دے سکتی تھی۔ رہا اطمینان قلبی حاکم جو کسی ملزم کے حق میں ہونا چاہیئے
وہ حضرت عثمان کا ملزم کے حق میں یہ تھا۔ کہ اُس نے اسلام میں بڑا رخنہ ڈالا
عثمان کو اجرائے حدود الہیہ میں کوئی تاخیر نہ ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن چونکہ وہ مجرم کے
باپ کے احسانمند تھے۔ جس کی بدولت ان کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا موقعہ ملا
تھا۔ یعنے وہ خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے مکروہ جانا کہ اپنے محسن کے
صاحبزادے پر حد الہی جاری فرمائیں۔ چنانچہ آپ کے استفسار پر جناب
علی مرتضےٰ نے فرمایا کہ اس کو قتل کرنا چاہیئے۔ اور یہ اس کی رائے تھی جس کے
حق میں آنسرور نے فرمایا ہے۔ (اقضاکم علی) (اور علی مع الحق والحق مع علی)
لیکن بعض دیگر لوگوں نے ایسے کھلے مجرم کے حق میں تو حسب مافی الضمیر خلیفہ مخالف
صحیح رائے جناب امیرؑ کہا۔ کہ کل تو عمر قتل ہوئے۔ اور آج ان کا بیٹا مارا جائے۔ اسی
موقعہ پر عمر عاص نے جن کا نام ان کی کارروائیوں کی وجہ سے تاریخ اسلام میں
بہت روشن ہے۔ اور جسے اس کی آئندہ تدابیر بنی اُمیہ کے خلیفہ ثانی کا وزیراعظم
معتمد خاص بنا دینے والی تھیں۔ مجرم کے حق میں یہ رائے دی۔ کہ مجرم مرتکب آئم
اسوقت ہؤا ہے۔ جبکہ کسی خلیفہ کا تعین نہیں ہوا تھا اس لئے خلیفہ مجاز نہیں کہ اس
سے جرائم کا مواخذہ کرے۔ جو اُسکے عہد حکومت سے پیشتر واقع ہوئے ہوں۔
لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ایک وقت میں تو ایسی رائے دی جائے
باوجودیکہ قاتل معین ہو۔ اور ثبوت جرم میں اس کے کسی طرح کا شک نہ ہو۔ اور ایک وقت
میں جبکہ خود اسی خلیفہ کا قتل مسلمانوں کے ہاتھ سے واقع ہوا۔ اس کے مابعد خلیفہ
کی خلافت میں اس خیال پر کہ مقتول خلیفہ کے قاتلوں سے خون کا بدلہ نہیں
لیا۔ رخنہ ڈالا گیا۔ حالانکہ مقتول خلیفہ کا قاتل کوئی معین معلوم نہیں ہوا تھا۔
اور موجودہ خلیفہ نے صاف طور پر نوٹس دیدیا تھا۔ کہ دعویداران خون حاضر ہوکر
شہادت پیش کریں۔ مگر نہ کسی نے حاضر ہوکر دعوےٰ کیا۔ اور نہ شہادت ہی
پیش کی +

بہرحال حضرت عثمان نے بہ ایں رعایت کہ میں الزام رعایت سے بری رہوں۔ اور ملزم بھی سزائے قتل سے محفوظ رہے۔ اپنے آپ کو ہرمزان کا ولی قرار دیا۔ اور ولی بنکر عوض قتل میں دیت قرار دی۔ اور وہ دیت اپنے مال سے ادا کی +

میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ بہ موجودگی ورثائے ہرمزان کس طرح عثمان ولی ہرمزان بنے جبکہ خود اس کا بیٹا عماذیان دعویدار موجود تھا۔ اس سے پہلے دریافت کرنا ضروری تھا۔ کہ آیا وہ دیت لینے پر راضی ہے۔ اگر وہ رضامندی کا اظہار کرتا۔ تو البتہ وہ قاتل کے ورثاؤں سے اسے دیت دلاتے۔ یا اپنے پاس سے مرحمت کرتے۔ لیکن کسی روایت سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ کہ عثمان نے عماذیان سے رضامندی اس کے دیت لینے کے لئے حاصل کی یا نہیں۔ میرے خیال میں جب خلیفہ صاحب بذاتہ ہرمزان کے ولی بن گئے۔ تو دیت بھی خود ہی لی ہوگی۔ اس صورت میں محققین تجویز کر سکتے ہیں کہ دیت کا نتیجہ کیا ہوگا۔ قطع نظر اس کے نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو۔ روایات سے جو امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ وہ صرف مقدمہ قتل ہرمزان میں ہی پایا جاتا ہے۔ مگر ان مقدمات میں جن میں عبیداللہ بن عمر بمقابلہ قتل جفینہ نصرانی اور معصوم بچی ابولولوء کے ماخوذ تھے۔ کتب تواریخ خاموش ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہے۔ کہ عثمان نے ان مقدمات میں ملزم سے قطعی مواخذہ نہیں کیا +

اس مقام پر ان اشعار کا ذکر بھی ایک مفید نتیجہ نکالنے والا ہے۔ جو زیاد بن لبید بیاضی انصاری پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ عبیداللہ کو دیکھتے تھے۔ اور ماحصل یہ ہے۔ اے عبیداللہ تجھ کو اب بھاگ جانے اور چھپ جانیکا موقعہ ابن اروی[1] سے باقی نہیں ہے۔ تو نے وہ خون کئے جو تجھ پر حرام تھے اور واللہ حلال نہ تھے۔ اور قتل ہرمزان خود امر عظیم ہے۔ تو مرتکب اس جرم کا ہوا۔ بجز اس کے کہ ہرمزان کا کوئی گناہ تجھ پر ثابت ہوا ہو۔ سوائے اس کے کہ ایک شخص نے کہا۔ چند آدمیوں سے خطاب کرکے کہ کیوں جی ہرمزان عمر کے خون کی تہمت رکھتے ہو۔ ان لوگوں میں سے ایک بیوقوف ایسے وقت میں

[1] عثمان کی والدہ کا نام اروی تھا +

جبکہ مصیبتیں بہت زیادہ تھیں ۔ کہنے لگا کہ ہاں میں تہمت نہ رکھتا ہوں ۔ کہ ضرور
ہرمزان نے قتل عمر کا اشارہ کیا ۔ اور بیشک اس کے قتل کا فرمان دیا ۔ اور
ابو لولو کے ہتیار اس کے گھر میں تھے ۔ کہ ان ہتیاروں کو ہرمزان الٹ پلیٹ
کر رہا تھا ۔ اور ہر ایک امر کا دوسرے امر پر قیاس کیا جاتا ہے ۔ ان اشعار میں
بہ تفصیل وہ واقعہ نظم کیا گیا ہے جو باعث قتل ہرمزان کا ہوا ۔ اور عبدالرحمن
بن ابوبکر کو بیوقوف بنا کر انہیں ہرمزان پر اتہام لگانے کا الزام لگایا ہے
جنہوں نے محض ہتیاروں کے الٹ پلٹ کرنے سے جنکو وہ اپنے گمان میں
ابو لولو کے ہتیار سمجھتے تھے ۔ ہرمزان کے ایماء اور اشارہ کا قتل عمر پر قیاس
کیا ۔ اور جو قیاس باعث قتل ہرمزان کا ہوا ۔ یہ ایک ایسی بات تھی جسے عبیداللہ
شرم کے مارے سن نہ سکتا تھا ۔ اسی بنا پر اس نے عثمان سے جس نے اسے
بلا مواخذہ چھوڑ دیا تھا ۔ زیاد بن ولید کی شکایت کی ۔ جس پر حضرت عثمان نے
زیاد کو بلا کر ممانعت کی ۔ لیکن فی الاصل ایسا فعل قبیحہ و مذموم سرزد ہوا تھا ۔ کہ
جس نے شاعر کو ہرگز خلیفہ کی ممانعت کی پروا نہ کرنے دی ۔ بلکہ بجائے عبیداللہ
خود حضرت عثمان کی نسبت چند اشعار تصنیف کرنے اور پڑھنے پر برانگیختہ
کیا ۔ جن کا ماحصل یہ ہے ۔ کہ اے ابا عمرو یہ عثمان کی کیفیت ہے ۔ عبیداللہ بسبب
قتل ہرمزان رہن ہے ۔ تم اس باب میں شک مت کرو ۔ یعنی تم خون ہرمزان کو بذمہ عبیداللہ
ثابت سمجھ کر عبیداللہ کو قتل کرو ۔ کیونکہ ہر گاہ کہ اگر اس جرم کو عبیداللہ کو بخشدیا
اور حال یہ ہے کہ خطا کے وجود اسباب مثل گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کے ہیں ۔
ایسی حالت میں اگر بخشدیا تو ہرج ہو گا یا تم بخشدو گے ۔ ناحق تم کو اس بریہ
اختیار نہیں ہے ۔ اگرچہ بعض مورخین نے یہ روایت لکھی ہے ۔ کہ عثمان نے قماذیان
کو بعوض ہرمزان قتل عبیداللہ کا اختیار دیا ۔ مگر قماذیان نے اور جملہ کہ ہم کی
سفارش سے عبیداللہ کو قتل نہ کیا اور اسے معاف کر دیا ۔ جس کے باعث ہر طرف سے
نعرہ ہائے تحسین بلند ہوئے ۔ اور لوگ شانوں پر اٹھائے ہوئے قماذیان کو
گھر تک لائے ۔ اگرچہ محققین و مورخین نے اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کیا ...
(دیکھو کامل ابن اثیر) اگر ہم روایت کو درست بھی مانا جائے ۔ تو باقی خونہا

کی نسبت ہم عبید اللہ کو کیسے بری کر سکتے ہیں۔

دوسری دلیل واقعہ معافی کے غلط ہونے کی یہ ہے۔ کہ اگر عمادیان عبید اللہ کو اپنے باپ کا خون عفو کر دیتا۔ تو جناب امیر علیہ السلام اپنے عہد حکومت میں اس کے قتل کا ارادہ نہ فرماتے۔ اور عبید اللہ بھاگ کر شام میں معاویہ کے پاس پناہ گزین نہ ہوتا۔ بہر حال ہم اس کو ایک واقعہ جرم سے بری سمجھیں۔ خواہ وہ برئیت برہنائے دیت کے ہو۔ یا برہنائے معافی۔ لیکن دیگر جرایم سے اس کی بریت ہم کو کتب اسلام سے کوئی وجہ کافی نہیں ملتی۔ اور جس کا مواخذہ اہل تحقیق جان سکتے ہیں۔ کہ کس کی گردن پر ہو سکتا ہے۔ اگر یہ واقعات مندرجہ کتب اہلسنت درست ہیں کہ جن کی صحت سے انکار کرنا بہت دشوار ہوگا تو نامی اور مظہر صاحب کو اپنے دعوے پر شرم کرنا چاہئے۔ اور آیندہ نہ کہنا چاہئے۔ کہ اجرائے حدود الہیہ میں خلفائے ثلثہ کسی کی رو رعایت نہ کرتے تھے۔ یہ ہیں آپ کے خلفائے حقہ جن کی نسبت یہ دعوے کرنا کہ اجراء حدود خداوندی بلا تفریق اجرا کیا کرتے۔ شرم شرم شرم۔

باب چہارم

مورخین محققین یوروپین کی رائیں دربارہ خلافت

جہاں تک مجھے علم ہے یورپ اور امریکہ کے علمانے تقریباً تین ۳۰ کتابیں متعلق حالات اسلام لکھی ہیں۔ جن میں سے بعض نے استحقاق خلافت کے متعلق اس قدر لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ کہ شیعوں کا مذہب ہے کہ حضرت علی ع احق واولے بہ خلافت تھے۔ اور بعض نے حضرت علی ع کے خلق۔ بردباری شجاعت۔ نیکدلی اور بزرگی کے ظاہر کرنے پر اکتفا کی۔ اور بعض نے صاف لکھ دیا۔ کہ خلافت حق علی مرتضےٰ ع تھا۔ چنانچہ بعض تحقیقاتیں ہم لکھتے ہیں

علامہ جان ڈیون پورٹ کی متعلق امر خلافت جو تحقیقات ہے۔ اُسے ہم لکھتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ سنی فرقہ نے رسولؐ کے سسرے کو رسولؐ کا جانشین مانا۔ اور فرقہ شیعہ نے علیؑ چچازاد بھائیؑ اور داماد آنحضرتؐ سے جیسا کہ مقتضائے مزید انصاف اور حمیت دینی ہے۔ تولا رکھے۔ بایں نظر کہ آنحضرت ہمیشہ ان سے محبت اور الفت علانیہ رکھتے تھے۔ اور چند مرتبہ انکو اپنا جانشین بھی ظاہر کیا تھا۔ علے الخصوص دو مقاموں میں۔ایک جب آنحضرتؐ نے اپنے گھر میں قبیلہ بنی ہاشم کی ضیافت کی تھی۔ اور علیؑ نے باوصف تمسخر و توہین کفار اپنا ایمان لانا ظاہر کیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی باہیں اُس جوان کے گلے میں ڈالکر چھاتی سے لگا کے بہ آواز بلند کہا۔ دیکھو میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ کو اور دوسرے جب آنحضرت نے ایک برس قبل اپنے انتقال کا خطبہ پڑھا تھا۔ بحکم خدا جسے جبرائیل آنحضرتؐ کے پاس لائے تھے۔ اور یوں کہا تھا کہ آپ پر اے پیغمبر صلوات اور رحمت خدا سے میں لایا ہوں معہ اسکے حکم کے آپ کے پیروؤں کے نام جس کو آپ ان سے کہئے بے تاخیر کے اور بیخوف کے شریر آدمیوں سے اسواسطے کہ وہ خداوند توانا ہے اور بچاویگا آپکو کہ اُسکے بندے ہیں۔ بموجب اس حکم کے آنحضرتؐ نے انس سے کہا کہ لوگونکو جمع کرے۔ جس میں آنحضرتؐ کے پیرو اور یہودی و نصارٰے اور مختلف رہنے والے وہاں کے بھی حاضر ہوں۔ یہ جمعیت ایک گاؤں پاس ہوئی۔ جس کا نام خم غدیر ہے۔ نواحی میں شہر جحفہ کے درمیان مکہ اور مدینہ کے واقع ہے۔ پہلے یہ مقام کل موانع سے صاف ہو رہا تھا۔ ۱۰ - اپریل ۶۳۲ء میں آنحضرتؐ ایک بلند منبر پر گئے۔ جو وہاں اُن کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ اور جبکہ ہزاروں حضار نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ ایک خطبہ حضرتؐ نے بڑی شان و شوکت کا فصاحت و بلاغت سے پڑھا۔ اس کے بعد مورخ نے خطبہ کا خلاصہ لکھا ہے۔ اور ظاہر کیا ہے کہ اُس میں آنحضرتؐ نے علی مرتضےٰؑ کو اپنا جانشین قرار دیا ہے۔ اور لوگوں کو ہدایت کی ہے۔ کہ وہ میرے بعد علیؑ کو میرا جانشین قبول کریں۔ اس کے بعد مورخ لکھتا ہے۔ کہ اس خطبہ کے تمام ہوتے پر ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ ابوسفیان

اور دوسرے لوگوں نے علیؑ کے ہاتھ چومے۔ اور اُن کے جانشین آنحضرتؐ مقرر ہونے کی مبارکباد دی۔ اور اقرار کیا کہ تمام احکام کو سچے طور سے بجا لائینگے۔

۱۱ ھ ۶۳۲ء صرف تین دن پہلے اپنے انتقال کے آنحضرتؐ نے پھر اپنے تابعین کو وقت ترغیب ان الفاظ سے سمجھایا۔ کہ اے میرے شاگردو۔ آیا تم خوب یقین کرتے ہو۔ کہ ایک ہی خدا ہے اور میں محمدؐ اُس کا رسول ہوں۔ اور حقیقت میں بہشت اور دوزخ ہیں۔ اور موت اور بعد موت کے بعد حق ہے۔ اور ایک وقت مقرر ہے کہ اُس وقت تمام انسان اپنی قبروں سے اُٹھ کر داور اور قادر مطلق کے حضور میں حاضر ہونگے۔ تمام جماعت نے یکزبان ہوکر جواب دیا کہ ہاں ہاں سب چیزوں کا خوب یقین رکھتے ہیں۔ اس کے اوپر ان کے رسولؐ نے اُن کو تمام ان عقیدوں کی بمزید تاکید اس بات پر دی۔ کہ اُن کی آل سے زیادہ تر خاص کرکے ہمیشہ محبت رکھیں۔ اور ان کی عزت و توقیر کریں۔ بڑے شد و مد سے یوں کہا۔ کہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہو۔ وہ علیؑ سے محبت رکھے۔ اللہ تائید کرے اُن کی جو دوستی رکھتے ہیں علیؑ سے اور غضب کرے ان سب پر جو اس کے دشمن ہیں*

ایسے مکرر اور مصرح بیانات سے جو خود رسولؐ کے لبوں سے ہوئے تھے ایک وقت تک تو شک و شبہ امر خلافت سے دُور رہا۔ مگر آخرش سب کو مایوسی ہوئی۔ کہ بی بی عائیشہ ابوبکر کی بیٹی آنحضرتؐ کی زوجہ دوم نے کچھ ساز و باز کرکے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں سے مقرر کروالیا۔ ملک الموت کے انتظار میں آنحضرتؐ کا عائیشہ کے حجرہ میں جانا خواہ آنحضرتؐ کے حکم اور مرضی سے ہوا۔ خواہ بی بی کے ہوا ہو۔ بہرصورت یہ بات بھی یقینی ہے۔ کہ آنحضرتؐ کا کہنا دربارۂ جانشینی علیؑ کے کانوں تک لوگوں کے نہ پہنچنے پاوے۔ پس علے العموم یہ سمجھا گیا ہے۔ کہ جیسے جناب رسول اکرمؐ نے بدون بیان کرنے اپنی آخری وصیت کے دربارۂ جانشینی کے انتقال کیا۔ اور اسی سبب سے یہ بات ہوئی۔ کہ تین خلیفوں نے پیہم راج کیا قبل اس کے کہ علیؑ اپنے حق کو پہنچیں جس کے وہ اس قدر مستحق تھے۔ نہ صرف بلحاظ قرابت و زوجیت فاطمہؑ دختر

رسولؐ کے بلکہ نیز بلحاظ اُن بیشمار اور بڑی خدمتوں کے جو اُنہوں نے مذہب اسلام کی کیں۔ توقع تھی کہ شاید بی بی عائشہ کے اس کردار کے باعثوں میں سے ایک خدمت فرزندی ہو۔ کہ اپنے باپ کے خلیفہ ہونے میں اعانت کی۔ مگر بے شک و شبہ نہایت قوی باعث اس کا بغض و کینہ دیرینہ علیؑ کی طرف سے تھا۔
(دیکھو کتاب آپالوجی فار اینڈ قران مترجمہ مظاہر حق)

فاضل مورخ مسٹر گبن اپنی تاریخ عروج و زوال سلطنت روم میں یہ صفحہ ۹۲۸ پر بجز بیر فرماتے ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:۔ علیؑ کا نسب اور تقرب اور سیرت حسن اوصاف نے اس کو سب ملک والوں سے اعلےٰ درجہ پر پہنچایا۔ عزت کے تخت خلافت کے لیئے اُسکے دعووں کو قرین انصاف ٹھیرا سکتے تھے۔ ابو طالب کا بیٹا اپنے خاص استحقاق سے سردار خاندان ہاشمیہ اور موروثی شاہزادہ مکہ اور محافظ خانہ کعبہ تھا۔ نور رسالت تمام ہو گیا تھا۔ مگر فاطمہؑ کا شوہر اس کے باپ کی توریث اور دعا کی بہت کچھ اُمید کر سکتا تھا۔ اہل عرب عور توں کی سلطنت کو قبول کر چکے تھے۔ اور دونو لیسے رسولؐ کے اُسکے کنار میں پرورش پاتے تھے۔ اور اس کے منبر پر بطور ثمر زندگانی جلوہ افروز ہوتے تھے۔ اور سردار جوانان بہشت تھے۔ علیؑ جو سابق الایمان تھا۔ پورا حوصلہ کر سکتا تھا۔ کہ سب کا سردار اور پیشوا اس عالم اور عالم جاودانی میں ہو۔ اور اگرچہ بعضے سنجیدہ اور استوار طبع تھے۔ لیکن جوش ایمان اور زہد میں کوئی خلیفہ اس سے بڑھ نہ سکا۔ علیؑ میں اوصاف شاعری۔ بہادری اور دینداری کے مجتمع تھے۔ اسکے مذہبی اور اخلاقی اقوال میں اس کی فراست اب تک زندہ ہے۔ جو شخص اس کی زبان یا تلوار کے مقابل میں آیا وہ اس کی شجاعت اور فصاحت سے مغلوب ہوا۔ ابتدائے زمانہ بعثت سے تا تجہیز و تکفین یہ سچا دوست جس کو رسولؐ خوش ہو کر اپنا بھائی۔ اپنا نائب اپنا معتقد۔ ہارون موسےٰ ثانی کہتا تھا۔ کبھی رسولؐ سے جدا نہ ہوا۔ ابو طالب کے بیٹے پر آخر میں لوگوں نے یہ الزام لگایا۔ کہ اُس نے اپنے طلب حق میں غفلت کی۔ اگر ابتدا ہی میں طلب حق کرتا۔ تو مقابل کے تمام دعویدار ٹھنڈے ہو جاتے۔ اور فیصلۂ قدرت سے اس کی خلافت مستحکم ہو جاتی۔ لیکن یہ بےخوف جوانمرد اپنے

نفس پر قانع رہا۔ حاسدوں کے حسد اور غالباً خوف اختلاف نے محمدؐ کے ارادوں کو روکا
اور اس کا بستر مرض عائشہ سے جو ابوبکر کی بیٹی اور علیؑ کی دشمن تھی۔ محاصرہ میں تھا۔
مسٹر گبن نے عائشہ کو یہاں ایک ایسے مکروہ لفظ سے یاد کیا ہے۔ جسے ہم
از روئے اخلاق نقل نہیں کرسکتے۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ ایک غیر مذہب کو علی المرتضیٰ
کی حق تلفی پر ایسا جوش ہوا کہ علیؑ کے دشمن کو نہایت کریہ لفظ سے موصوف
کرنے پر مورخ ممدوح کو اس جوش نے آمادہ کیا۔ حالانکہ بوجہ غیر مذہب اسلام
ہونے کے نہ کوئی فائدہ ہمدردی جناب امیرؑ سے ہوگا۔ اور نہ انکے دشمن کو بہ
صفت رذیلہ یاد کرنے سے ۔

پروفیسر آئی۔ ایچ۔ پامر اپنی تصنیف مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۳ کتاب
موسوم بہ ہارون الرشید میں بہ سلسلۂ تحقیق خلافت لکھتے ہیں :۔ چار شخص دعوے
دار خلافت تھے۔ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی جن کے ساتھ
فاطمہؑ کا نکاح ہوا تھا۔ ابوبکر پیغمبرؐ کی بی بی عائشہ کے والد۔ عمر جن کی بیٹی حفصہ
تھی کہ جو ازواج میں تھی۔ اور چوتھے عثمان جو خاندان بنی اُمیہ سے تھے۔ اس
میں شبہ نہیں کہ علیؑ قانوناً آنحضرت کے جانشین تھے۔ لیکن عائشہ اُن سے
ناراض تھی۔ اُس نے علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دیا۔

واشنگٹن آرونگ کتاب موسوم بہ محمدؐ و جانشینان کے صفحہ ۱۶۵ باب ۳۶
میں یوں لکھتے ہیں کہ :۔ سب سے زیادہ ممتاز مستحق خلافت حضرت علیؑ تھے۔
جن کا حق فطرتی طور پر قوی ترین تھا۔ کیونکہ محمدؐ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔
اور حضرت فاطمہؑ سے جو اولاد تھی وہی آنحضرت کی نسل میں تھی۔ حضرت علیؑ
شریف النسل اور قریش کی افضل شاخ سے تھے۔ ان میں وہ تین صفات جو
عرب نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں موجود تھیں۔ یعنی شجاعت فصاحت
اور سخاوت۔ ہمت اور دلیری کی وجہ سے آنحضرتؐ نے انکو شیر خدا کا لقب دیا
تھا۔ ان کی فصاحت کے نمونے اشعار اور امثال کی شکل میں اب تک عرب
میں محفوظ ہیں۔ اور سخاوت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہر جمعہ کو جو کچھ خزانہ میں
رہتا تھا سب پر تقسیم کر دیتے تھے۔ اور ان کی شجاعت اور دریا دلی کی ہم بہت

سی مثالیں بیان کر چکے ہیں۔ ہر ایک غلط اور کمینہ بات سے نفرت کرتے تھے اور ان کے مزاج میں خود غرضی کے لئے سازش کرنیکا بالکل مادہ نہ تھا۔
لکچر محمڈن لا امیر علی انگریزی صفحہ ۴۴ و اردو صفحہ ۲۸ نوٹ ۲۔ فیصلہ مشہور بعد ترجمہ مسٹر جسٹس ارنولڈ نے یہ لکھا ہے:۔ مسلمانوں کو عموماً یہ توقع تھی۔ کہ حضرت علیؑ جو اول شاگرد اور عزیز رفیق رسول اللہ کے اور جو خاوند ان کی تنہا[2] اولاد یعنے فاطمہؑ کے تھے۔ خلیفہ اول ہونگے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ عائشہ جو کہ جوان اور عزیز زوجہ رسولؐ تھی۔ دشمن قلبی فاطمہؑ اور علیؑ کی تھی۔ اپنے باپ ابوبکر کے خلیفہ منتخب ہونے کا باعث ہوئیں۔ حضرت علی کو سب لوگ دل سے دوست رکھتے تھے۔ اور وہی قابل تھے اس زمانہ میں بھی جبکہ شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے۔ حضرغام آل ابوطالب اسداللہ الغالب ان کا لقب تھا۔ اور اشجع عرب انکو کہتے تھے۔ شجاعت حکمت ہمت۔ عدالت۔ سخاوت اور زہد و تقوے میں حضرت علیؑ کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔ علاوہ اسکے وہ زوجِ بتول یعنے بضعۂ رسولؐ حضرت فاطمہؑ کے شوہر تھے۔ جو رسول اللہ کی اکلوتی[3] اور پیاری بیٹی تھیں۔ اور ابوالحسنینؑ تھے جنکے عاشق زار خود انکے نانا رسول خداؐ تھے۔ اور خود آنحضرتؐ نے انکو مجمع صحابہ میں سردار جوانانِ بہشت فرمایا تھا۔

---

[1] مظہر نامی جو نبات النبی میں مدعی ہوئے ہیں کہ رسول اللہ کی دو لڑکیوں سے عثمان کی شادی ہوئی۔ یہ محقق اپنی تحقیق میں اسے قبول نہیں کرتا۔

[2] تنہا اولاد سے مراد یہ ہے۔ کہ سوائے حضرت فاطمہؑ اور کوئی اولاد پیغمبرؐ نہ تھی۔

[3] اس محقق کی اس تحریر نے شاید مسٹر مظہر کو باعث دعوئے سیادت کسی قدر خوش کردیا ہو۔ مگر ولئے بر حال نامی کہ ان کے سینہ پر کس قدر سانپ لوٹ رہے ہونگے۔ جو حضرت علی علیہ السلام کا نام لینا اور سننا گوارا نہیں فرماتے۔ یاد کریں نامی صاحب اپنی وہ حرکت جو ایک اشتہار سے انہوں نے ایک چوب فروش سے کرائی۔ ہر کہ بہ آل نبی در افتاد برافتاد۔

[4] یہاں پر تو اس محقق نے اپنے فیصلہ میں اس امر کا بخوبی فیصلہ کر دیا کہ سوائے فاطمہؑ اور کوئی لڑکی آنحضرت کی نہ تھی۔ جیسا عنقریب فصل جواب نبات النبی میں مفصل آئیگا۔

اب میں ایک شہادت اور ایک نیٹو کرسچن عالم کی لکھتا ہوں جو کہ پہلے
سُنی المذہب پکے مسلمان تھے۔ اور مباحث مذہبی سے بڑی دلچسپی رکھتے
تھے۔ آخر میں عیسائی ہو گئے تھے۔ ان کا نام مولوی صفدر علی صاحب تھا۔
یہ صاحب پہلے سنٹرل پراونسز میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ پھر ترقی یاب ہوکر
اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوگئے۔ اور اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ نہ معلوم
اب زندہ ہیں یا مر چکے ہیں۔ مقام بھنڈارا میں قیام پذیر تھے۔ صاحب ممدوح ہمارے
ایک ممتاز سربرآوردہ قوم مولوی سید غلام حیدر صاحب آنریری مجسٹریٹ وریٹائرڈ
سب جج رئیس جائس ضلع رائے بریلی کے بہت بڑے دوست تھے۔ ان کے ایک
خط کے جواب میں رقمطراز ہیں۔ مخدومی مکرمی! مجھ سے آپ نے خلافت خلفا میں
استفسار کیا ہے۔ ہرچند بقول جناب اب مجھے ان امور سے سروکار نہیں رہا۔ مگر
حسب الارشاد جس قدر اس وقت فرصت پاتا ہوں اور خود جانتا ہوں۔ بلا رو و
رعایت احدے مختصر عرض کرتا ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ علی ابن ابی طالب
کے روبرو کسی دوسرے شخص کا رتبہ نہ تھا۔ کہ خلافت کا مستحق شمار کیا جائے۔ اس
بات میں اگر ہم دریافت ان روایات کی صحت اور اصلیت کی جانب ملتفت نہ ہوں
جو اہل تشیع اثبات خلافت بلا واسطہ علیؑ میں پیش کرتے ہیں۔ بلکہ ان سے قطع نظر
کرکے محض انہیں احادیث اور روایات کو بانصاف دیکھیں۔ جو صحاح ستہ یا
دیگر کتب سیر میں اب تک باقی ہیں۔ اور جو اہل تسنن کے نزدیک معتبر ہیں وہی
ہمارے اس دعوے کی صداقت کے لئے کافی شہادت دیتے ہیں۔ اول وہ
حدیث جو فضائل و مناقب علی صاحب میں محمد صاحب نے بکثرت بیان کیں۔
بمقامات و حالات وازمنہ مختلفہ جن کا مطلب اور مدعا ایک بچہ بھی جان سکتا ہے
کہ بلا شبہ محمد صاحب کا ارادہ تھا۔ کہ صحابی خود بخود قدر اور مرتبہ علی صاحب کا
جان جائیں۔ اور میری مرضی جان لیں کہ بعد میرے وہی خلیفہ ہوں۔ بھلا کون
شخص ہے جن کے حق میں یہ کہا۔ کہ (انت منی بمنزلة ھارون من موسیٰ
الا انه لا نبی بعدی) جیسا کہ بخاری اور مسلم دونوں میں بالاتفاق لکھا ہے۔
وہ تو خلیفہ نہ ہو اور ابو بکر ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ حدیث اس باب میں

اتنی ہی کافی ہے کہ اگر محمد صاحب ایسا کہتے کہ میرے بعد علی خلیفہ ہوں۔ تو اسکو بھی کچھ مناسبت نہ ہوتی" + (نوٹ) نامی و مظہر صاحب توجہ سے سنئے)
باقی رہے یہ عذرات کہ ہارون تو موسےٰ کے روبرو مر گئے تھے۔ یہ محض بناوٹ کی بات ہے۔ اور پردہ ڈالنا ہے حق پر۔ ایسا تو دنیا میں کوئی تشبیہ نہیں۔ کہ مشبہ اور مشبہ بہ ہر بات میں متحد او متفق ہوں۔ اگر کسی کے چہرے کو کہیں کہ چاند سا ہے۔ تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ ویسا ہی گول اتنا ہی بڑا اور ویسا ہی کلف دار اور سب طرح موافق ہو۔ بلکہ تشبیہ جس بات میں ہوتی ہے۔ اسی امر میں مناسبت دیکھی جاتی ہے پس اس حدیث میں صاف صاف تشبیہ نیابت کی ہے۔ کہ جیسے حضرت موسےٰ کے نائب اور قائم مقام ہارون تھے۔ اسی طرح علی صاحب محمد صاحب کے نائب ہونگے۔ اور لفظ بعد سے کنایہ امر ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعد محمد صاحب کے علی صاحب نائب ہونگے۔ الّا یہ کہ وہ نبی نہ ہونگے۔ وگرنہ سب طرح امر خلافت کے مستحق ہیں۔ پھر اس کے سوا جو جو حدیثیں دربارہ یکتائی و یک جہتی منقول ہیں اُن سے بھی صاف صاف ظاہر ہے۔ کہ گویا محمد صاحب و علی صاحب ایک روح دو قالب تھے۔ اور کسی کو ایسا اتحاد اور محبت اور یگانگی نہ تھی۔ اور منظور ایسے امور کے بیان سے کیا تھا۔ کہ یہ لوگ ارادہ اور منشاے محمد صاحب سے واقف ہوجائیں مگر کون سنتا تھا۔ دوم محمد صاحب کی وہ روایات جو حال مرض الموت میں مسطور ہیں جبکہ ابوبکر کو نماز پڑھنے کے لئے بلایا۔ اس سب حال کے پڑھنے سے بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیشک محمد صاحب کا ارادہ علی صاحب کا نائب بنانا منظور تھا۔ اور یہ بات لوگوں کو معلوم بھی تھی۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضرور دریافت ہوتا ہے کہ برعایت عایشہ صاحبہ اظہارِ علی الاعلان نہ کیا۔ بلکہ ابوبکر کو امام بنایا اس سب سے حال یہ بھی دریافت ہوتا ہے۔ کہ اس وقت تک امر دایر اسی میں تھا۔ کہ علی صاحب خلیفہ ہوں یا ابوبکر۔ سوم معاملہ قرطاس سے بھی دریافت ہوتا ہے۔ کہ گو محدثین نے اس قصہ کو مختصر لکھا ہے۔ اور چاہے اس تحریر کو جو کہ محمد صاحب کرنا چاہتے تھے۔ اخراج یہود اور نصاریٰ کا مدینہ سے مراد بتلاؤ۔ مگر وہ کسی طور پر درست نہیں ہوسکتی ہے۔ کہ ایسی جزوی اور چھوٹی باتوں کے واسطے

تحریر ہو۔ شرائع الاسلام اور احکام ضروری وغیرہ کے لئے تو ممانعت تحریر ہو۔ اور ایسی جزدی باتوں لکھے ہیئے اس لفظ کے ساتھ کہ کہیں تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ حکم تحریر ہو۔ اور پھر شور و شغب اور لوگوں میں جھگڑا و فساد اس تحریر کے واسطے ہو۔ اور پھر یہ کہ صحابی کہیں کہ بیماری کا کرب زیادہ ہے۔ اور ہذیان بکتا ہے۔ اور یہ مرد تھوڑی دیر میں گذر جائیگا۔ (ذرا غور سے مسٹر نامی اور مظہر صاحب ملاحظہ فرمائیں۔) ہرگز وہم میں بھی آسکتا ہے۔ کہ مراد اس تحریر سے ایسی جھوٹی باتیں تھیں بلکہ جب وہ تحریر نا موافق طبع عمرو خیر خواہان ابوبکر و عمر کے تھی۔ جنہوں نے روکا اور کلام نالائق اس شخص کی نسبت کہا کہ جس کو وہ رسول صلعم جانتے تھے۔ اور اس سے پہلے بھی امر خلافت ہی کے باب میں گفتگو و اصرار و طنز و کنایہ ہوا۔ ضرور وہی معاملہ خلافت علی صاحب کا تھا۔ اور ضرور محمد صاحب کا ارادہ خلافت علیؑ کا تھا۔ اور عائشہ اور عمر وغیرہ بہت سے صحابی اس سے ناراض تھے۔ پھر موت محمدؐ صاحب کے بعد کے حالات کے ملاحظہ سے بھی بخوبی تمام واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر اور عمر اور بہت سے صحابیوں نے جو کچھ کہا اور کیا۔ ہرگز ہرگز کوئی ایماندار اور بھلا مانس جو ظاہرداری کا ہی ہو۔ ایسا نہ کریگا۔ جو جو معاملات اور مشاجرات اور دنگا و فساد ان لوگوں نے بطمع دنیا کئے۔ اس سے کیا خیال کیا جائے۔ کہ ہرگز ہرگز کبھی کوئی شخص جو محمد صاحب کو نبی جانتا ہو۔ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ مگر علی صاحب نے اس وقت بہت کچھ صبر کیا اور تحمل و برداشت کی۔ تو اس وجہ سے بھی وہ لائق خلافت تھے نہ یہ لوگ۔

چہارم۔ اور صحابیوں یعنے خلفاء کے حالات اور علی صاحب کے حالات کے ملاحظہ سے بھی جو محمد صاحب کے وقت یا اُن کے بعد ہوئے۔ عبادات میں یا معاملات میں ان سے بھی واضح ہے کہ تقلید و اتباع اسلام و فرماں برداری محمد صاحب کی ان امور میں کسی صحابی کو رتبہ نہیں کہ علی صاحب کے پاسنگ بھی شمار کیا جائے۔ اور اگر سچ سچ طور پر دیکھو۔ تو ان سب میں ایک ہی انسان تھے۔ سو اس وجہ سے بھی خلافت ان کے شایاں تھی۔

پنجم۔ اگر ان وجوہات کو دیکھیں جو ابیطالب کے سلوک پرورش و حفاظت

وہر گونہ خاطرداری اور محبت ورافت وخیر خواہی ہیں محمد صاحب کے ساتھ بکثرت تمام ہوئے۔ اور پھر علی صاحب کی جانفشانی اور محبت اس کے علاوہ۔ بھائی اور پھر داماد رشید۔ اس کے سوا فاطمہ صاحبہ کے حالات اور ان کی نسبت جو کچھ محمد صاحب نے فرمایا۔ جنکے یہ شوہر تھے۔ اس کے علاوہ حسنینؑ کے باب ہیں جو کچھ فرمایا۔ اور جیسا کہ ان سب باتوں کے غور کرنے سے مدعا ومطلب نکلتا ہے۔ ان سب سے بھی بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بلاریب علی صاحب مستحق خلافت کے تھے۔ اور کوئی نہیں باقی رہا۔ اہل تسنن نے جو جو وجوہات خلافت بیان کئے ہیں۔ وہ بالکل بن سمجھوتی اور ایک طرفی معاملہ ہے۔ تفصیل اس کی اس جگہ دشوار ہے۔ مگر ان وجوہات کو ان سب وجوہات کے ساتھ ملا کر دیکھنا اور غور کرنا ضروری ہے۔ ہاں البتہ دو بات ضرور قابل عرض ہیں۔ اول یہ کہ انتظام سلطنت اور بندوبست اور جہاد وقتل غیر مذہبوں کا جیسا دونو اول خلیفوں نے کیا نہ عثمان صاحب سے ہوا اور نہ علی صاحب سے۔ دوم یہ کہ یہی ابوبکر اور عمر اور عثمان اور معاویہ عشرہ مبشرہ وغیرہ بہت سے صحابی تھے جنکے دلوں کے حال ان کے چال چلن سے صاف ظاہر تھے۔ خصوصاً بعد فوت ہونے محمد صاحب کے بخوبی تمام ظاہر ہو گئے۔ کہ جو کوئی ذرا بھی غور کرے۔ اور دیکھے معلوم کریگا کہ یہ لوگ مطلق ایماندار نہ تھے۔ محض دنیا کا لالچ تھا ایسے ایسے کام کئے کہ ان کا ذکر فضول ہے۔ والسلام۔ ۷ جون ۱۸۹۶ء

باب پنجم

فصل اول۔ دربارہ اقوال اہلسنت دربارہ عقد مغفور حضرت

حضرات اہلسنت کے جس قدر اقوال اس عقد کے بارے میں واقع

ہوئے ہیں اور مسٹر نامی وزلہر صاحب نے ان سے استدلال کیا ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ خاندان رسالت و حضرت عمر میں بحدے اتحاد و ارتباط تھا کہ بمقتضائے محبت و یک جہتی جناب امیر نے بہ طیب خاطر عمر صاحب کو لائق دامادی سمجھ کر اپنی صاحبزادی ام کلثوم ؑ جو بطن حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے تھیں۔ بہ عمر پنجسالگی بہ تعین چالیس ہزار روپیہ مہر عقد کر دیا۔ جن کے بطن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا زید نامی پیدا ہوا۔ جس نے بعہد امیر معاویہ معہ اپنی والدہ ماجدہ انتقال کیا۔ جن کا جنازہ امام حسین علیہ السلام نے بجلسہ واحد پڑھا۔ حضرت عمر نے یہ عقد اتنی کم عمر لڑکی سے بلا خیال حظ نفسانی محض بغرض حصول عزت آخرت کیا۔ ورنہ اس بڑھاپے کی عمر میں ان کو ضرورت نکاح نہ تھی۔ اور ایسا بے جوڑ معاملہ کہ ایک حد درجہ کی کم عمر اور دوسرا پورا مُسن۔ انتہا کی موافقت اور محبت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر آپس میں بقول حضرات شیعہ مخالفت و مخاصمت ہوتی۔ تو ایسا رشتہ کبھی واقع نہ ہوتا۔ چنانچہ محسن الملک آیات بینات جلد اول صفحہ ۱۳۵ پر ارقام فرماتے ہیں کہ اگر خاندان اہلبیت و عمر میں اختلاف ہوتا۔ تو حضرت امیر کبھی عقد نہ کرتے۔ مولوی خلیل احمد نے بھی ہدایات الرشید میں یہی لکھا ہے۔ علاوہ ازیں تمام علماء اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے۔ گویا اس عقد کو باعث اتحاد و اتفاق قرار دیا گیا ہے۔

اب یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا بقول اہلسنت یہ عقد بہ رضامندی فریقین واقع ہوا۔ اور اگر ہوا تو کس طرح ہوا۔ علاوہ بریں فریقین کا آپس میں اتحاد و ارتباط کہاں تک تھا۔ اور جو جو امورات اس عقد کے متعلق روات اہلسنت نے روایت کئے ہیں۔ ان کی صداقت کہاں تک ہے۔ اور اس عقد کے راوی معتبرین میں شمار کئے جاتے ہیں یا پایۂ صداقت سے گرے ہوئے ہیں اور اگر یہ واقعہ بقول فرقہ حقہ شیعہ بناوٹی اور افترا ہے۔ تو کیوں بنایا گیا اور اس کی اصل غرض کیا ہے۔ اور اگر بفرض تسلیم یہ نکاح مانا جاوے۔ تو حضرت عمر کو اس نکاح سے کوئی ایمانی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا نہیں؟

اور اس عمر کی دلہن اور اس عمر کے دولہا کے یہاں اولاد ہو سکتی ہے۔ میں انشاء اللہ ان تمام امورات پر بدلائل عقلی و نقلی ایسی روشنی ڈالوں گا کہ مسطر نامی و منظہر صاحب کو اگر ذرہ برابر بھی غیرت ایمانی ہوگی تو ندامت کے مارے حیا کے برقع سے منہ چھپاتے پھرینگے۔ اگرچہ مجھے ضرورت نہ تھی کہ میں اس قدر خامہ فرسائی کرتا۔ مگر حضرات اہلسنت معاویہ شاہی اکثر دشمنان اہلبیت کی طرفداری کرتے ہیں۔ اور ان کی آبرو ریزی کے وسائل کی ہمرسائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ اور اسی ضمن میں وہ وہ تمسخر آمیز باتیں درج کرتے ہیں جن سے سراسر ذلت و سبکیت خاندان رسالت عوام کی نگاہ میں ہوتی ہے۔ عام قاعدہ ہے کہ عیب دار ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا بھر کے آدمی اس کی طرح عیوب سے بھرے پُرے دکھائی دیں۔ تاکہ اُسے مجمع عامہ میں بھی گردن کری نہ پڑے۔ چنانچہ سعدی علیہ الرحمہ گلستان میں حکایتاً لکھتے ہیں جس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

کسی نے کبڑے سے پوچھا تو چاہتا ہے کہ تیرا کبڑا پن دور ہو جاوے۔ یا دوسرے تیری طرح کبڑے ہو جاویں۔ اُس نے جواب دیا۔ میری خواہش تو یہ ہے۔ کہ عامتہ الناس میری طرح کبڑے ہو جاویں کہ جس طرح وہ مجھے دیکھ کر ہنسا کرتے ہیں میں انکو دیکھ کر ہنسوں۔ اسی طرح ایک گنجا کسی کی زلف پیچاں دیکھ کر کبھی خوش نہیں ہوتا۔ یہی چاہتا ہے کہ اس کی طرح سب کا میدان ہو جائے۔ اور ہر ایک کی کھوپری کچھوے کی پشت بن جاوے۔ علیٰ ہذا القیاس مفلس و لاولد کسی کی دولت اور اولاد دیکھ کر خوشدل نہیں ہوتا۔ چونکہ ہمارے آئمہ معصوم و طاہر تمام عیوب سے پاک و صاف ہیں۔ اور پیشوایان حضرات سنیان معاویہ شاہی ہر قسم کے عیوب کی دستار سر پر رکھے ہوئے ہیں۔ لہذا وہ ہمیشہ اسی کوشش اور سعی میں رہتے ہیں۔ کہ ان بزرگواران رفیع منزلت کی شان میں کوئی عیب پیدا کریں۔ تاکہ وہ بھی مثل خلفاء عیوب سے مبترا نہ سمجھے جائیں۔ چنانچہ یہ دعویٰ عقد سراسر افترا ہے۔ جسکے متعلق حالات بیان کرنے سے شرم کے مارے غرق ہوا جاتا ہوں۔

اور میری غیرتِ و حمیت ایمانی کسی طرح مقتضی اس امر کی نہیں ہے۔ کہ میں مفصلاً ان روایات کو جنہیں اہلسنت نے لکھا ہے بیان کروں۔ مگر نقل کفر کفر نباشد سمجھ کر عرض کرتا ہوں ÷

مولوی عبد الحلیم لکھنوی سنی المذہب نے جس کا تخلص شرر اور پیشہ ناول نویسی ہے۔ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء کے پرچہ دلگداز میں بزعم فاسد تاریخدانی اپنے ہم مذہبوں کے دل خوش کرنے کے لئے لکھا ہے۔ کہ معاذ اللہ حضرت سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک غلام آزاد سے جس کا نام زید تھا۔ اپنی مادر گرامی کا عقد کر دیا۔ چونکہ شرر صاحب کے مزاج میں ازلی شرارت ہے۔ اور عترت اطہار کی اہانت کو مثل اسلاف خود فرض منصبی سمجھے ہوئے ہیں۔ اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ گدگداتے ہوئے الفاظ میں زید کو خاندان رسالت کا رقیب ظاہر کرتے ہوئے عہدہ رقابت عطا فرمایا۔ اور اپنی تحریر کی تائید میں تاریخ طبری مطبوعہ لندن صفحہ ۲۴۷۰۔ اور کتاب معارف ابن قتیبہ مطبوعہ لندن صفحہ ۱۰۰۔ اور وفیات الاعیان ابن خلکان اور کتاب آغانی کو پیش کر کے ظاہر فرمایا ہے کہ ان صحیح اور سندی کتب اہلسنت میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔ شرر کے اس غلط اور بے بنیاد و کذب محض شرارت بھرے ہوئے مضمون نے صرف اہل شیعہ ہی کو رنجیدہ نہیں کیا۔ بلکہ بعض صاحبان انصاف اہلسنت کو بھی کہ بمقتضائے اسلام نے جوش دکھیر شرارہ ہائے شرر کے بجھانے پر بہ آبیاری دوات و قلم آمادہ کیا۔ چنانچہ مولوی عبد الحق صاحب لکھنوی نے اخبار طوطی ہند میرٹھ میں اس قصہ واہی و یاوہ گوئی بھنگ نوشان کا ابطال کیا۔ اور مولوی عبد الباقی و مولوی افہام الدین صاحب سکنائے فرنگی محل واقعہ بلدہ لکھنؤ نے بجواب ایک مستفتی کے صاف لکھ دیا کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچی۔ ایسا نہ کہنا چاہیئے۔ اور نہ ایسا اعتقاد و یقین کرنا لازم ہے ÷

مولوی عبد الحق صاحب موصوف کی وہ عبارت جو آپ نے بجواب مستفتی بطور استفتاء لکھی ہے بجنسہ نقل کرتا ہوں۔ (حضرت امام زین العابدینؑ کا اپنی والدہ

ماجدہ کا عقد کسی غلام سے کر دینا محض اتہام ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قریش میں بہت لوگ موجود تھے۔ غیر کفو میں عقد کیوں کرتے۔ جو ایسے مزخرفات بکتا ہے وہ واہی ہے۔) ؂

اب میں اس زور و شور کی بھی حقیقت و اصلیت ظاہر کئے دیتا ہوں جس بیگزین کے بھروسے پر شرر نے خاندان رسالت و نبوت کے قلعۂ اقتدار و رفعت کو گرانا چاہا ہے۔ اپنے مذہب کی چار کتابیں حسب تعداد ائمہ اربعہ شرر نے پیش کی ہیں۔ جن کی وقعت و اقتدار میں پیش کئے دیتا ہوں۔ تاریخ طبری سے جو سند شرر صاحب پیش کرتے ہیں۔ اس کی یہ حالت ہے۔ کہ تمام تاریخ طبری کی ورق گردانی کر جایئے۔ اگر کسی جگہ یہ لکھا ہوا دیکھ پایئں۔ تو میرا ذمہ۔ بات فقط اتنی ہے۔ کہ طبری مطبوعہ مطبع مذکور کے آخر میں تاریخ ذیل المذیل کا انتخاب چھپا ہوا ہے۔ البتہ یہ افترائی مضمون درج ہے۔ شرر نے بایں خیال کہ تاریخ طبری ایک مشہور کتاب ہے۔ ہر دیکھنے والے کو با اعتبار عزت کتاب مضمون کی صحت کا اعتبار ہو جائیگا۔ لہذا آپ نے بجائے ذیل المذیل طبری کا حوالہ دیدیا۔ جو شخص کتابوں میں امتیاز نہ دے سکے۔ اور دو جداگانہ مختلف المضامین کتابوں کو ایک سمجھے۔ ارباب دانش کے نزدیک جیسا وہ سمجھا جائے گا۔ ظاہر و باہر ہے۔ اس مایہ و بساط پر یہ شور و شر دو حال سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ مسٹر شرر کو طبری و ذیل المذیل میں تمیز دینے کا مادہ نہ تھا۔ دوم آنکہ سمجھ بوجھ کر شرر نے یہ شرارت پھیلائی۔ شرر سے اس تحریر میں چند خطایئں سرزد ہوئی ہیں۔ اول انتخاب ذیل المذیل کو اصل تاریخ طبری جہالت یا تجاہل سے سمجھا۔ دوم یہ کہ بلا کسی حوالہ و سند کے اس کو تمام تواریخ اسلام سے صحیح جانا۔ سوم اس واقعہ بے سرو پا کو بلا اظہار سلسلہ سند صحیح و واقعی باور کرایا۔ دو خطا کے واقع ہونے میں تو شاید نہیں کچھ نہ کہتا۔ مگر اب تین خطاؤں کے سرزد ہونے پر سوائے اسکے کیا کہا جائے۔ جو مشہور عالم ہے۔ سند دوم ابن قتیبہ کی کتاب معارف سے ہے۔ اس کی یہ عزت و وقعت ہے۔ کہ امام ذہبی جیسا مستند عالم اہلسنت میزان الاعتدال میں رقمطراز ہے۔ (قال الحاکم اجمعت الامۃ علی ان القبیتی کذاب)

یعنے حاکم کہتا ہے کہ تمام اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ ابن قتیبہ جھوٹا تھا۔
اور مرات الجنان میں ہے۔ (ان دارالقطنی قال کان ابن قتیبۃ یمیل الی التشبیہ
منحرفًا علی العترۃ وکلامہ یدل علیہ) ترجمہ۔ کہ ابن قتیبہ تشبیہ کی طرف
قائل تھا۔ اور عترت آلِ رسولؐ سے اس کو پیوستگی نہ تھی۔ بلکہ منحرف تھا۔ چنانچہ
یہ بات اس کے کلام سے ظاہر ہے ٭

تیسری سند مسٹر شرر تاریخ ابن خلکان سے پیش کرتے ہیں۔ وہ بنائے فاسد
علی الفاسد ہے۔ کیونکہ ابن خلکان ابن قتیبہ سے نقل کرتا ہے۔ جس کی وقعت
اُوپر دکھلائی گئی ہے۔ کہ وہ شخص دشمن اہلبیتؑ اور کذاب تھا ٭

شہادت چہارم کتاب آغانی کی ہے۔ یہ ابن قتیبہ سے بھی سبقت لے گیا ہوا ہے۔
ابن حجر کتاب لسان المیزان میں آغانی کی تعریف میں یوں ارقام فرماتے ہیں
(کان ابوالفرج الاصفہانی اکذب الناس کان لیشتری شیئًا کثیرًا عن
الصحف ثم روایاتہا کلہا منہا) یعنے ابوالفرج اصفہانی اکذب الناس تھا۔
لوگوں سے پرچہ و نوشتہ لیکر مضمون بنایا کرتا تھا۔ ان ٹوٹے پھوٹے ہتیاروں
کے بھروسہ پر جو مخالف کو ایک چرکہ بھی نہ دے سکیں۔ مسٹر شرر خاندان نبوت
سے نبرد آزمائی کرنے لگے۔ سو بحمد اللہ خود ایسی چوٹ کھائی۔ کہ اب قادیانی
مرہم عیسے سے اچھے نہ ہونگے۔ بھلا ایسی بیہودہ اور لغو روایات جن کے لکھنے
والوں کی یہ شان ہو۔ اہل ایمان کے سامنے کیا وقعت اور عزت پیدا کر سکتے
ہیں۔ ان رواۃ کو سچا اور با اعتبار وہی سمجھ سکتا ہے۔ جسے خاندان رسالت
کی ذلت اور رسوائی مدنظر ہو۔ اور جس کی طینت سے شرارہ ہائے جانسوز
نکلکر خرمن دین و ایمان کے جلانے والے ہوں۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رجمًا
للغیب علمائے سنیہ نے بہ مخالفت شرر جوش حیا سے لکھ دیا۔ کہ یہ روایات
قابل اعتماد نہیں۔ جو شخص ایسی بیہودہ سرائی کرتا ہے۔ وہ فاسق و فاجر ہے۔
چنانچہ قبل ازیں عبارات استفتا سے دکھلایا گیا ہے۔ روایت ابن قتیبہ پر
جو مولوی صدرالدین احمد حنفی قادری نے قدح کرکے اصل بات دکھلائی ہے
وہ قابل توجہ ناظرین ہے ٭

کتاب روایح المصطفےٰ میں لکھتے ہیں۔ (اصل ایں ست کہ امام زین العابدینؑ را مادر رضاعی بود از جوارے پدرش او را بعد واقعہ کربلا بہ نکاح زید دادہ بود۔ دل گواہی میدہد بہ راستی ایں روایت ورنہ شہربانو آں وقت عمر او از پنجاہ تجاوز نمودہ قریب شصت رسیدہ بود و صاحب اولاد بود۔ ضرورت نکاح و موقعہ اش ندا شت)۔ ملاحظہ فرمایئے اصلیت کیا تھی اور راویان غلط گو و مفتریان افترا پرداز نے بنظر اہانت خاندان رسالت اس میں کیسے جوڑ بند لگائے۔ ان لوگوں کا خاصہ ہے۔ کہ صحیح اور اصلی بات کو چھوڑ کر اغراض ذاتی سے معاملہ کو ایسا غت ربود کر دیتے ہیں کہ اصلیت واقعہ کو بدل کر کہیں سے کہیں مطلب جا پہنچتا ہے۔ مؤلف روایح المصطفےٰ نے ایمانداری سے بیان کر دیا کہ جن کا نکاح ہوا تھا وہ مادر رضاعی حضرت سجادؑ تھی نہ کہ حقیقی۔ یہ ہے غلطی علمائے سنیہ نے بعض نے بہ اعتبار روایات اور بعض نے دیدہ دانستہ عقد ام کلثومؑ میں کی ہے ٭

مسٹر نامی ذرا غور فرمایئے۔ کہ شرر نے جو کہ آپ کے مذہب کے بڑے نامی آدمی ہیں کیسی توہین اہلبیتؑ کی کی۔ اور سادات و مومنین کا کس بیدردی سے دل دکھایا۔ اگر مسٹر مظہر صاحب میں ذرہ بھر بھی رگ سیادت ہے۔ تو مطابق قول رشید الدین شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی (قال صاحب النواقص فی الہاشمیہ توجد الحمیتہ والغیرۃ) یعنے بنی ہاشم کی غیرت اور حمیت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ بغیرت و حمیت ہاشمیہ کے باعث شرر کے حق میں آیہ وافی ھدایہ لعنت اللہ علے الظالمین ولعنت اللہ علے الکاذبین کا ورد فرما کر داخل حسنات ہونگے ٭

اب میں بعد اس تمثیل کے جو عرض کر چکا ہوں۔ کہ سنیان معاویہ شاہی ہمیشہ جھوٹ و افترا سے کام لیتے چلے آئے ہیں۔ اس واقعہ کی لغویت ثابت کر کے دکھلاتا ہوں۔ کہ یہ واقعہ محض بغرض توہین اہلبیت طہارت بنایا گیا۔ ورنہ اس کی اصلیت کچھ نہیں۔ اس واقعہ کی نسبت کتب سنیہ میں وہ زہر بھرا مضمون وارد ہوا ہے۔ جس کی انتہا نہیں۔ اور کوئی تذلیل و توہین ایسی نہیں۔ جسے دشمنان اہلبیت نے بحق اہلبیت علیہم السلام چسپاں نہ کیا ہو۔ علمائے

اہلسنت لکھتے ہیں۔ کہ جس وقت عمر نے جناب امیر علیہ السلام کو اُم کلثوم کے عقد کا پیغام دیا۔ تو آپ نے عذر کیا۔ کہ وہ ابھی کمسن ہے۔ اور اُس کی نسبت میں قبل ازیں اپنے برادر زادہ جعفر طیار کے لڑکے سے کر چکا ہوں۔ عمر نے نہ مانا۔ اور بہ اصرار کہا۔ کہ اگر وہ در اصل کم عمر ہے۔ اور قابلیت زوجیت نہیں رکھتی۔ تو آپ اُس کو میرے پاس بھیجدیں۔ تاکہ میں خود اُس کو جانچ لوں۔ کہ آیا وہ شادی کے قابل ہے یا نہیں۔ جس وقت علیؑ نے اپنی بیٹی کو بھیجدیا تب عمر نے اس کی چادر کو کھینچا۔ اور اُس کا بازو تھاما۔ بوسہ لیا۔ ساق پا کھولی۔ اس حرکت پر ام کلثوم کو غصہ آیا۔ اور کہا کہ اگر تو خلیفہ وقت نہ ہوتا۔ تو میں تیری آنکھ پھوڑ ڈالتی۔ اور ناک توڑ دیتی۔ مجھ کو میرے گھر بھیجدے۔ عمر نے دیکھ بھال کر اُس لڑکی کو واپس کر دیا۔

مولوی حیدر علی فیض آبادی جو اہلسنت کے علمائے معتمدہ سے ہیں۔ اور جن کی تصنیف سے منتہی الکلام ہے۔ ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۵ پر کتاب استیعاب و اصابہ سے اس مضمون کو بصد رنگ آمیزی بیان کرتے ہیں۔ سخت افسوس ہے کہ دشمنان خاندان رسالت نے کتنا بڑا اتہام اہلبیتؑ پر باندھا ہے۔ اور کیسے سخت عنوان سے خاندان نبوت کی تذلیل و توہین کی ہے۔ جس کا مافوق کوئی دوسرا امر نہیں ہو سکتا۔ آج تک میں نے یا اور کسی نے یہ بات نہیں سنی۔ کہ کسی رذیل آدمی نے بھی اپنی ناکتخدا اور کمسن بیٹی کو اس کے چاہنے والے کے پاس بغرض پسند و عدم پسند بھیجدیا ہو۔ زنا پیشہ لوگ باوصف بے حیا ہونے کے کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ اور نہ کسی نے آجتک ایسا کیا ہے۔ علمائے معاویہ شاہی نے مضمون تراشی کے وقت یہ نہ سوچا کہ اس ترکیب سے صرف استخفاف اہلبیت ہی نہ ہوگا بلکہ خود عمر بھی ان طوفان بندیوں سے بنظر خواص و عوام نہایت بُری نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو عمر پر چند الزام شرعیہ قایم ہوتے ہیں۔ الزام اول۔ ایک ذی عزت شخص کو مجبور کر کے اُس کی بیٹی کو بغرض جانچ و پسند بلوانا۔ دوم۔ بدمست و اوباشوں کی طرح چادر کھینچنا۔ بوسہ بازی کرنا سینہ سے چمٹانا۔ ساق پا کا کھولنا۔ تیسرے ایک مسلمان کی مخطوبہ (محمد بن جعفر طیار)

سے اپنی منگنی کرنا۔ خدانخواستہ اگر نامی صاحب سے یا مسٹر منظر سے کوئی ایسا سلوک کرے۔ جیسا استیعاب واصابہ میں خلیفہ صاحب کی لسبت لکھا ہوا ہے۔ تو محکمہ فوجداری سے ملزم کو سزا دلاکر غالباً لبغرض تنبیہ و پاداش جرم سنگین اُس کے ساتھ کوئی دوسرا سخت برتاؤ مثلاً منہ میں نجاست کا دلوانا۔ یا مقام معروفہ میں . . . . ٹھکوانا۔ روایات متذکرہ بالا کے دیکھنے سے مجھ کو ایسا غصہ چڑھا ہوا ہے۔ کہ اگر وہ شخص جس نے رسول اللہؐ کی نواسی سے معاذ اللہ ایسا باحیایانہ اور سفیہانہ برتاؤ کیا۔ مل جائے۔ تو اُس کے ساتھ وہ فعل کرتا جس کو وہ بھی بحق خود اقلع جانتا۔ مجھ پر ہی یہ امر موقوف نہیں۔ ہر صاحب ایمان جس کی نگاہ میں کچھ بھی خاندان رسالت و نبوت کی عزت و توقیر ہو گی۔ وہ دو باتوں کے سوا تیسری بات کو دل میں جگہ نہ دیگا۔ اولاً یہ کہ صاحب استیعاب واصابہ نے بددیانتی سے ایسا اتہام کیا ہے تاکہ واقعہ عقد کو تقویت ہو جاوے۔ دوم اس واقعہ کو بہ اعتبار اندراج کتب صحیح سمجھ کر حضرت عمر کو اُسی نظر سے دیکھیگا جس سے میں دیکھ رہا ہوں۔ ناظرین شاید یہ خیال فرماویں۔ کہ استیعاب واصابہ معتبر کتابیں نہ ہونگی۔ جن میں یہ واہی مضمون لکھا ہوا ہے۔ لہذا مولوی حیدر علی فیض آبادی مصنف منتہی الکلام کا قول دربارۂ توثیق کتب مذکورہ پیش کرتا ہوں۔ عالم موصوف ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۳۶ پر رقمطراز ہیں۔ (آنچہ در کتاب مستطاب اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ابن حجر عسقلانی دربارہ مابہ النزاع مرقوم است بلا اختلاف نسخ و بے کم وکاست بگوش اصغا باید شنید) یہ عبارت اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ کتاب مذکور مخالفین کے نزدیک اعلےٰ درجہ کی معتبر و معتمد ہے۔ افسوس ہے کہ علمائے معتبرین سنیۃ ایسے واقعات درج کتب کریں۔ جن کے دیکھنے سے اہل ایمان کی روح کانپ جاتی ہے۔ اگرچہ میں بباعث مذہب تشیع حضرت عمر کا پورا مخالف ہوں۔ اور آپ کو ویسا ہی جانتا ہوں جیسے میرے مولا جناب امیرؑ حسب روایت مسلم آپ کو جانتے تھے۔ مگر اس موقعہ پر ان کا طرفدار ہو کر کہتا ہوں۔ کہ معاذ اللہ عمر نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ نہ عقد کا پیغام دیا۔ نہ کوئی جبریہ لفظ زبان پر لایا۔ نہ اپنے گھر بلاکر چادر کھینچی نہ منہ چوما نہ ساق کھولا۔

علمائے متعصبین نے محض بغرض اثبات عقد وخفت اہلبیتؑ اس مضمون کو کانٹ چھانٹ کر لائق افسوس بنا دیا ہ چنانچہ علمائے اہلسنت میں بھی ایک بڑے ذی رتبہ عالم نے لکھ دیا۔ کہ اہل تعصب وعناد نے یہ بیہودہ مضمون تراشا ہے۔ عمرؓ سے ایسی واہی حرکت کبھی واقع نہ ہوئی ہوگی۔ وہ ادب شناس و عارف مراتب اہلبیتؑ تھے۔ ان کی لونڈی سے بھی اس نوع کی بے ادبی نہ کرتے۔ وہ بزرگ سبط ابن جوزی ہیں۔ خواص الامہ کے گیارہویں باب میں اپنے جداعلےٰ ابن جوزی کا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں :۔ (وذکر جدی فی کتاب المنتظم ان علیا بعثہا الی عمر وان کشف ساقہا ولمسہا بیدہ قلت وھذا اقبح واللہ لو کانت انہ لما فعل بہا ھذا باجماع المسلمین لایجوز لمس الاجنبیۃ فکیف ینسب الی عمر مثل ھذا یقول لک الی یصلح لک ھذا الثوب فلما جاءت الی عمر صوب النظر الیہا وقال لہا قولی نعم فلما عادت الی علی قالت لہ یا ابت لقد ارسلتنی الی شیخ سوء لقد صوب النظر ھذا اقبح واللہ لو کانت امۃ) ابن جوزی فرماتے ہیں۔ کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ عمرؓ نے سینہ سے چمٹایا۔ چادر کھینچی یا منہ چوما یا ساق پا کو ہاتھ لگایا۔ یہ قصہ نہایت قبیح ہے۔ عمر اہلبیتؑ کی باندیوں سے بھی ایسی حرکت نہ کرتے۔ کیونکہ بہ اتفاق اہل اسلام غیر عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ ہاں اتنا واقعہ درست ہے۔ کہ جب علیؑ نے بعذر کم سنی عقد کرنے سے انکار کیا۔ تو عمرؓ نے کہا میرے پاس بھیجدو۔ میں خود اندازہ کر لونگا۔ چنانچہ علیؑ نے بھیجدیا۔ جب وہ لڑکی عمرؓ کے پاس گئی۔ تو انہوں نے گہری نگاہ سے دیکھا اور اسے باپ کے گھر واپس بھیجدیا۔ لڑکی نے شکایت کی۔ کہ بابا تم نے مجھ کو کس بڈھے خبیث کے پاس بھیجدیا تھا۔ ابن جوزی کا بعض حصہ روایت سے انکار اور بعض سے اقرار نہایت تعجب انگیز ہے۔ یہی درول و یہی بروں اسی کو کہتے ہیں۔ ہمارے نامی ومظہر صاحب ایسے عالم صادق البیان و عالی خاندان کی رائے سلیم پر قربان ہو جائیں۔ جو کشف ساق وغیرہا کو خلاف شان عمری سمجھتا ہے۔ مگر علیؑ کے بھیجنے اور عمرؓ کے گھورنے اور لڑکی کے شکایت کرنے کی تصدیق کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن جوزی کے گھرانہ میں یہ بات قبیح ومعیوب

نہ ہوگی۔ کہ ناکتخدا لڑکی کو اس کے پیغام دینے والے کے پاس بغرض پسند و ناپسند
لڑکی کا باپ بھیجدیوے۔ علمائے سنیہ کی عجب حالت ہے۔ ایک شخص جس بات
کو صحیح کہتا ہے دوسرا اُسے غلط بیان کرتا ہے۔ چنانچہ ابن جوزی حسب تصریح
بالا مان چکے کہ عمر نے کشف ساق وغیرہ نہیں کیا۔ کیونکہ باتفاق علمائے اہل
اسلام اجنبی عورت پر نگاہ ڈالنا حرام ہے۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں صفحہ ۱۶۰
پر لکھتے ہیں۔ (ہنوز بحد شہوت نرسیدہ بود کہ حرام باشد اگر صغیرہ نمے بود پدرش
علی ؑ او را بہ ایں طریق نمے فرستاد) جس بات کو ابن جوزی باجماع اہل اسلام
حرام بتلاتے ہیں۔ اس کو ابن حجر حلال فرماتے ہیں۔ نہ معلوم دونوں میں کون سا
بزرگوار سچا ہے۔ ابن حجر نے تحریر استیعاب و اصابہ کو صحیح مان کر یقین فرما لیا۔ کہ
عمر نے علی ؑ کو مجبور کر کے ان کی بیٹی کو بلوایا۔ اور حسب صراحت بالا تمام بے ادبیاں
کیں۔ اور یہ تمام باتیں بوجہ خورد سالی جائز تھیں۔ نامی صاحب کو تو کچھ کہہ نہیں
سکتا۔ البتہ مسٹر مظہر جو دعوئے سیادت کرتے ہیں۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر
دیکھیں کہ ان کے جد مطہر سے کیا کیا نسبتیں دی جاتی ہیں۔ اس سے بالاتر
عرض کرتا ہوں۔ مولوی حیدر علی ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۶ پر تحریر فرما چکے
ہیں۔ جسے میں قبل ازیں عرض کر چکا ہوں۔ (آنچہ در آں کتاب مستطاب یعنی
اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ابن حجر عسقلانی درباره ما بہ النزاع مرقوم است بلا اختلاف
نسخ و بے کم و کاست بگوش اصغا باید شنید) اس تحریر سے چند ایک باتیں
ظاہر ہوئیں۔ اول یہ کہ اصابہ کو مستند سمجھکر مولوی صاحب نے استدلال فرمایا۔
دوم اس کو بلفظ کتاب مستطاب یاد فرمایا۔ سوم اس کو بلا اختلاف و نسخ تجویز
کیا۔ مگر یقینے دروغگو را حافظہ نباشد۔ ایسی ذی عزت و وقعت کتاب
کو آپ نے خاک میں ملا دیا۔ چنانچہ ازالۃ الغین کے صفحہ ۷۴۹ پر رقمطراز
ہیں (مد شیعہ کشف ساق را ضمیمہ روایت فرمودند تا بزعم خود محمدت را بہ منقصت
بدل کنند) یعنی شیعہ نے مضمون کشف ساق روایت میں ملا دیا ہے۔ تاکہ
عمر کے فضائل برائیوں سے بدل جاویں۔ تعجب ہے مولوی صاحب کی عقل پر
کہ آپ جس کتاب کو بلا اختلاف و نسخ بتلاتے ہیں ملاحی ہیں شیعہ کی دراندازی

تسلیم فرمالیتے ہیں۔ نہ معلوم مولوی صاحب کا کونسا فقرہ سچا اور کونسا جھوٹا ہے
مہربانی فرماکر نامی صاحب و منظر صاحب جو تفخیص فرماویں۔ مجھے بھی مطلع فرما دیں
تاکہ احقر مولوی صاحب کی غلط بیانی کا قائل ہو کر تلاوت آیہ وافی ہدایہ قرانی کی
تلاوت کرکے ثواب جزیل حاصل کرے۔ یہی مولوی صاحب مسلم و بخاری کی دوسو
دس حدیثوں کو جن میں غضب سیدہؓ ابوبکر پر و تنازع عمر بہ احضار قلم و دوات
وغیرہ درج ہیں۔ غلط اور جھوٹ قرار دیا ہے۔ کہاں ہیں علماء جو صحیح بخاری
کو بعد کلام باری یقین کئے ہوئے ہیں۔ گو کہ حیدر علی نے یہ السنت خود شیعہ
کو ملزم گردانا۔ مگر پھر سوچے کہ اس سے کام نہ چلیگا۔ لہذا انہوں نے دوسرا
طریقہ اختیار کیا۔ جس سے اندراجات اصابہ و استیعاب پر کوئی حرف بھی نہ
آئے۔ اور عمر بھی الزام شدید سے بچ جاوے۔ اسی ازالہ میں فرماتے ہیں۔
از اقوال معتبرہ و روایات معتمدہ فریقین بوضوع پیوستہ کہ ہرگیں ارادۂ عقد
نکاح با زنے داشتہ باشد۔ و آں زن اگرچہ بلوغ رسیدہ و دیدنش در حالت
قعود و قیام و سکون و مشی درست است بلکہ محاسن او را نیز تواں دید و کیف
مخطوبہ بحدے صغیر باشد کہ پنج و ششش سالہ بود چنانکہ خود ہی دانست انتہا
مولوی صاحب تحریر صدر سے یہ مطلب ظاہر فرما رہے ہیں۔ کہ ہرگاہ باتفاق
فریقین یعنے شیعہ و سنی مخطوبہ کا کھڑے بیٹھے پھرتے چلتے دیکھنا بلکہ اس کی
صورت کا باوصف بالغ و راشدہ ہونے کے معائنہ کرنا جائز ہے۔ تو پھر پانچ
چھ سالہ لڑکی کا بالاولے جائز ہوگا اس میں کیا قباحت لازم آئے گی۔ آفرین
ہے آپ کے ایسے مستند عالم کی حالت پر جسے ہندوستان میں شاہ صاحب
کے دوسرے درجہ پر مانا گیا ہے۔ کہیں لکھتے ہیں کشف ساق کو ہماری کتاب
میں شیعہ نے لکھ دیا۔ کسی جگہ مجتہدانہ فتوے دینے پر آمادہ ہو کر کہتے ہیں کہ
جب جوان و بالغ سے سب بالائی کارروائی جائز ہے۔ تو صغیرہ سے کیوں
حرام تجویز کیجائے۔ اس پر طرہ یہ کہ لفظ فریقین لکھ کر شیعہ کو بھی اپنا ہمرنگ
بنانا چاہتے ہیں۔ تاکہ اعتراض باقی نہ رہے۔ لہذا یہ عرض بیجا ہے۔ کہ ہمارے
مذہب میں یہ آزادی نہیں دی گئی۔ جو اہلسنت کے یہاں ہے۔ بحمد اللہ

مولوی صاحب گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے پھر پھر آکر پھر اُسی کوچہ میں آگئے۔ جس میں صاحب استیعاب و اصابہ پھر رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی صاحب کے نزدیک حضرت امیرؑ نے اپنی دختر کو عمر کے پاس بھیجدیا۔ اور اس نے اُن تمام حرکات کا جو روایات میں مذکور ہیں ازتکاب کیا۔ اور وہ تمام حرکات شرعاً جائز تھیں۔ مجھے سخت افسوس ہوتا ہے۔ کہ حسب روایات سنیہ علیؑ نے وہ فعل کیا جسے آجکل کی فواحش بازار نشین بھی گوارا نہ کریں۔ سادات معاویہ شاہی خصوصاً مظہر صاحب کو مبارک صد مبارک ہو کہ علمائے اہلسنت کے نزدیک آپ کے جد مطہر کی خوب عزت و وقعت ہے۔ افسوس صد افسوس۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ جناب من! آپ کے علماء نے بجوش عداوت مرتضویہ اہانت خاندان رسالت میں وہ خامہ فرسائی کی ہے۔ کہ العیاذ باللہ۔ اگرچہ وہ اس قابل نہیں کہ معرض تحریر میں آئیں۔ مگر امر مجبوری ہے۔ تاکہ ناظرین رسالہ ہذا کو معلوم ہو جائے۔ کہ یہ صاحب جو دعوئے محبت اہلبیت رسالت کرتے ہیں۔ اور اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں۔ خاندان نبوت کی کہاں تک عزت و وقعت رکھتے ہیں۔ بوسہ بازی و ساق باکھولنے سے لاکھوں درجہ بڑھی ہوئی اور باتیں نواسی رسولؐ کے حق میں لکھی ہیں۔ کہ جب دختر علیؑ عمر کے پاس آئیں۔ تو عمر نے صحابہ سے فرمایا کہ دختر علیؑ سے جماع کرادو۔ مہاجرین اولین یہ استدعا سنکر خاموش ہو رہے۔ اور کسی نے عمر کو ٹوکا تک نہیں۔ کہ یہ بات کہنے کے لائق ہے یا نہیں۔ جس عالم سنی کی عبارت متعلق بہ واقعہ مذکورہ پیش کرتا ہوں وہ بمقام غدر فرمائے ہیں۔ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر کو اس کلام کی حرمت اور ناقابلیت پر اطلاع نہ تھی۔ اگر ہوتی تو ایسا کبھی ارشاد نہ کرتے۔ اسی طرح صحابہ کی نسبت فرماتے ہیں۔ کہ وہ بھی مطلع نہ ہونگے۔ کہ یہ بات بڑی ہے۔ ورنہ ضرور عمر کو روکتے۔ سیرت حلبیہ کا صفحہ ۲۶۳ ملاحظہ ہو۔ میں متحیر ہوں کہ یہ صحابہ جنہیں ذرا بھر تہذیب اور شائستگی کے نام سے مس نہ تھی۔ حالانکہ ایسی باتوں کی بُرائی سے انسان فطرۃً آگاہ ہوتا ہے۔ نہ معلوم یہ پامال کنندہ مسند نبوی کس جنگل سے تشریف لاکر شریعت محمدیہ کی ہری ہری

گھاس چرنے پر تیز دنداں ہوئے تھے۔ علمائے سنیہ کی سادگی پر مجھے سخت افسوس آتا ہے۔ کہ ایسے لوگوں کی برات بعذر جہالت کرکے پھر بھی ان جہلاء کا دامن نہیں چھوڑتے۔ ان میں سے ہر ایک کو عدول اور باعث ہدایت سمجھ کر ان کا پیچھا لئے ہوئے ہیں۔ شاید اسمضمون کی نسبت مسٹر نامی و مسٹر منظہر فرماویں کہ شیعہ نے لکھدیا ہوگا۔ یہ عجیب مذہب ہے۔ جہاں جواب سے عاجز ہوئے جھٹ اپنے مریدوں کے سامنے یہ کہدیا۔ اور پھر دعوے کیا کہ ہم ارکین سواداعظم سے ہیں۔ خدا کرے کہ اس سواد کا سودا آپ کے دماغ میں ہمیشہ سمایا رہے۔ سب سے پہلے اس عذر کرنیکا سبق شاہ عبدالعزیز نے دیا۔ اُسی پُرانے مُرلے درس کو سب شاگردان رشید رٹے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز تحفہ میں لکھتے ہیں۔ کہ خوشنویسان دہلی ہماری غیر مشہور کتابوں کو خوشخط لکھ کر سونے چاندی کے جدولوں سے آراستہ کرکے سستے داموں بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں جن میں موقعہ پاکر ایسے مضامین جن سے پیشوایان اہلسنت کی تہجین وتنقیص ہوتی ہو لکھ دیتے ہیں۔ مگر صحاح میں وہ کوئی کارروائی نہ کرسکے بحمداللہ ہماری صحاح ستہ دستبرد شیعہ سے محفوظ ومصئون رہیں۔ شاہ صاحب کو لازم تھا کہ یہ تو بتلا دیتے کہ فلاں فلاں کتاب میں شیعوں نے دستبرد کی ہوئی ہے۔ بقول شاہ صاحب غیر مشہور کتابوں میں حضرات شیعہ نے دستبرد کی ہے۔ مگر استیعاب واصابہ جیسی مشہور کتابوں میں جن کا ترجمہ مولوی عبدالشکور صاحب جیسے عالم نے کیا ہے۔ یہ مضمون کس نے لکھ دیا؟ پچیس کتب میں سرور عالم کا بحق جناب سیدہ فدک کا ہبہ فرمانا اور مسند التنازعہ روبروئے خلیفہ جناب امیر وحسنین علیہم السلام و اُم ایمن کا شہادت دینا کونسا شیعہ لکھ گیا۔ سولہ کتابوں میں قصہ آتش زنی بیت الشرف فاطمہ کس نے درج کیا۔ ہبہ وراثت واحراق وغیرہ جملہ معاملات بحوالۂ کتب وعبارات تشئید المطاعن میں موجود ہیں۔ چونکہ نامی صاحب نے بھی رسالہ فدک میں بہ اتباع شاہ عبدالعزیز اس واقعہ نا گزیر سے انکار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔ اور یہ بھی دیکھ لیں کہ ایسے ایسے علماؤں نے اسواقعہ کا اقرار کیا ہے۔ جن کے صف نعال میں بیٹھنا

شاہ صاحب کے لئے باعث شرف و منزلت ہے۔ اگر آپ کو تشئید المطاعن نہ مل سکے تو مجھ سے لے کر اطمینان فرمالیں ۔

آیدم برسر مطلب۔ شاہ صاحب صحاح ستہ کو تو دستبرد اغیار سے محفوظ و مصئون بتلاتے ہیں۔ مسلم میں یہ کیسے لکھا گیا۔ کہ علیؑ ابوبکر و عمر کو کاذب۔ غادر خائن جانتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر حیدر علی صاحب فیض آبادی ازالۃ الغین میں حسب تصریح بالا ارقام فرماتے ہیں۔ کہ دو سو دس حدیثیں بخاری و مسلم کی غلط ہیں۔ نہ معلوم اس اختلاف بیان میں جھوٹ کا ستارہ کس کی پیشانی پر چمکیگا۔ ان ہر دو پیشوایان اہلسنت میں سے ایک کے چہرہ پر ضرور قشقہ بدنامی لگایا جاویگا۔ المختصر یہ توہین جس کی اجمالی حالت تحریر میں لا چکا ہوں۔ علمائے سنیہ نے بہت سی تذلیل و توہین اہلبیت کرام کی کی ہے۔ سید سجاد حسین صاحب مرحوم بارہوی نے رسالہ تقریر دلپذیر میں تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ معاذ اللہ عمر نے مجمع مہاجرین اولین کے روبرو کہا۔ کہ علیؑ کی دختر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کرادو۔ سب سنکر خاموش ہو رہے۔ کسی نے سرزنش تک نہ کی۔ خود عمر کے روبرو بد معاش اور زناکار لوگ اہلبیتؑ کو نا سزا کہتے اور وہ سنکر خاموش رہتے۔ وفیات الاعیان ابن خلکان میں ایک طولانی عبارت لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ خلیفہ عمر اور مغیرہ بن شعبہ جس کا ام جمیل نامی سے زنا کرنا اور صحابہ رسولؐ کا زنا کی شہادت دینا اور خلیفہ صاحب کا اس کو بچانا اور گواہوں پر حد جاری کرنا۔ اس سے پیشتر مفصلاً لکھ چکا ہوں۔ کعبہ میں وارد تھے۔ اتفاقات سے ام جمیل معشوقہ مغیرہ بھی طواف کعبہ کے لئے آئی۔ کہ خلیفہ صاحب نے اسے دیکھ کر بہ تجاہل عارفانہ مغیرہ سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے۔ اسے جانتے ہو۔ اس کم بخت نے مذاقانہ لہجہ میں جواب دیا۔ ہاں خوب جانتا ہوں۔ یہ ام کلثوم بنت علیؑ ہے۔ عبارت وفیات الاعیان کا تھوڑا سا ٹکڑا اپنی تحریر کے ثبوت میں یہاں بھی عرض کئے دیتا ہوں۔ تاکہ مظہر صاحب سیادت کا دعوے کرتے ہوئے دیکھیں کہ صحابہ ان کے جد کی کیسی عزت و حرمت کرتے تھے۔ وہو ہذا (قال نعم ھذا ام کلثوم بنت علیؑ فقال له

عمر انتہا اھل علی الی آخرہ) مظہر صاحب! غور فرمایئے۔ ایک زانی کا نواسی رسولخدا کا زانیہ سے تشبیہ دینی اور عمر کا ہمسنگر نال دینا کس قدر بے وقاری اہلبیت کو ثابت کرنیوالا ہے۔ درباره اہانت اہلبیت جو علماء سنیہ نے کی ہے بہت کچھ لکھ سکتا ہوں۔ مگر خوف طوالت سے زبان قلم کو روک کر اتنا ضرور عرض کرونگا۔ کہ اس فرضی اور قیاسی نکاح کے ثابت کرنے کے لئے اہلسنت نے خاندان رسالت کی کسدرجہ توہین کی ہے۔ کوئی ہتک آمیز واقعہ نہیں جسے خاندان نبوت سے منسوب نہ کیا گیا ہو۔ چونکہ سنیان معاویہ شاہی کا یہ دعوے ہے۔ کہ یہ عقد بہ طیب خاطر و خوشدلی علیؑ واقع ہوا۔ مگر روایات مذکورہ صریح اس خیال کی مخالفت کرتی ہیں۔ ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام پر اس قدر دباؤ ڈالا گیا۔ کہ پناہ بخدا۔ انہوں نے اپنی معصوم خورد سال پانچسالہ لڑکی کو جو ان کے بھتیجے کی منسوبہ تھی۔ پسند و غیر پسند کے لئے بھیجدیا۔ میرے نزدیک یہ تمام باتیں بناوٹی وغیر واقعی ہیں۔ ہرگز ہرگز حضرت عمر نے کوئی اہانت مندرجہ صدر نہیں کی۔ وہ صرف مراتب حکومت سے اہلبیت کو گرانے والے تھے۔ نہ کہ ان کی ذاتیات میں عیب پیدا کرنے والے۔ البتہ متاخرین نے ان کی تعلیم سے ہر نوع خاندان رسالت کو حقیر و ذلیل سمجھا۔

فصل دوم

(درباره تحقیقات سن شریف حضرت عمر و اُم کلثوم بوقت عقد اور تحقیقات اس امر کی کہ بعد شادی حضرت عمر کتنی مدت زندہ رہے۔ اور بطن اُم کلثوم سے آپ کی کے اولادیں ہوئیں اور اس وقت کفاءت پر عمل تھا یا خیر)

تمام علمائے اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ خطبہ کے وقت حضرت عمر کا سن
شریف ساٹھ یا اکسٹھ برس کا تھا۔ چنانچہ مولوی شہاب الدین دولت آبادی کتاب
ہدایۃ السعداء میں رقمطراز ہیں کہ جب حضرت عمر نے ام کلثوم سے نکاح کرنا چاہا۔ تو
آپ نے کہا کہ میں بیکار محض ہو چکا ہوں۔ مجھے عورتوں کی مطلق خواہش نہیں
محض بغرض حصول عزت آخرت خاندان رسالت سے مواصلت کرنا چاہتا ہوں
عمر نے جن الفاظ میں اپنی عمر کا اظہار اس وقت فرمایا۔ ان کو مولائے ممدوح اس
طرح نقل فرماتے ہیں۔ (عمر گفت من مرد پیر ہیم از شصت سال بالا شدہ) اور
کتاب اسماء الرجال کے صفحہ ۶ پر لکھا ہے۔ (قتل عمر اربع من ذالحجہ
سنہ ثلاثہ وعشرین ولہ من العمر ثلاثہ وستون سنہ) یعنے چوتھی ذالحجہ
۲۳ھ کو عمر قتل ہوئے۔ اور اس وقت ان کا سن مبارک ترسیٹھ سال کا تھا۔ اور
اس حساب سے ۲۰ھ میں عقد ہوا۔ کیونکہ حضرت عمر سنہ مذکور میں ساٹھ برس
کے تھے۔ اور ۲۳ھ میں ترسیٹھ سال کے۔ عقد کرنے کے بعد کچھ کم تین برس
زندہ رہے۔ ام کلثوم کی عمر کا تذکرہ میں پیشتر کر چکا ہوں۔ کہ چار یا پنچسال کے درمیان
یا انتہا چھ برس کی تھی۔ مولانا حیدر علی درباب بحث عقد ام کلثوم ازالۃ الغین کے
صفحہ ۹۲۳ پر آپ کے سن کا فیصلہ اس طرح فرماتے ہیں۔ (فکیف دختر پنج شش
سالہ باشد) ہدایت السعداء کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھا ہے۔ (اربع سنین او مابین
الاربع الی خمس) یعنے چار سالہ تھی۔ یا چار اور پانچسال کے درمیان سوائے ازیں
تمام علمائے سنیہ کو ام کلثوم کی خورد سالی کا اعتراف ہے۔ جس کا ثبوت قبل ازیں
مفصلاً معرض تحریر میں لا چکا ہوں۔ مگر مختصراً یہاں بھی عرض کئے دیتا ہوں
مولوی حیدر علی منتہی الکلام کے صفحہ ۴۴۴ پر لکھتے ہیں۔ (فدعاء ام کلثوم
وھی یومئذ صبیہ) یعنے بوجہ خورد سالی عمر نے ام کلثوم کو اپنے پاس بلایا
تھا۔ اسی طرح ابن حجر صواعق محرقہ کے صفحہ ۱۶۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ (فرستادن
ام کلثوم بواسطہ صغر سن بود کہ ہنوز بحد شہوت نرسیدہ بود کہ حرام باشد۔ اگر صغیر
نمے بود پدرش علیؑ اورا براین طریق نمے فرستاد) علاوہ بریں مطابق اقوال علماء
سنیہ جو قول جناب امیرؑ کا دربارہ عقد نکاح واقع ہوا ہے وہ کم سنی کا ثابت

کرنیوالا ہے نہ معلوم مظہر صاحب کو تیرہ سو سال کے بعد کہاں سے ثابت ہوا کہ ام کلثوم جوان تھیں۔ یہ امر دو حال سے خالی نہیں یا تو تمام علمائے اہلسنت جو اسوقت تک اسواقعہ کو بیان کرتے چلے آئے ہیں انہوں نے جھوٹھ و افترا سے کام لیا ہے یا مظہر صاحب نے یہ اپنخیال کہ اگر ام کلثوم کی کمسنی کا اقرار کیا جائے تو حضرت عمر کی عدالت تو درکنار ایمان کا بھی کہیں ٹھکانا نہیں دکھائی دیگا۔ خلاف روایات آپ نے لکھدیا کہ ام کلثوم بالغہ تھیں مگر یہ نہ سمجھے کہ اگر حضرت ام کلثوم کو بالغہ مانا جاوے۔ تو روایات کا وہ حصہ جسمیں لکھا ہے کہ چادر سر سے کھینچی اور سینہ سے چمٹایا اور ساق پا کو کھولا اور بوسہ لیا حضرت عمر کے اسلام کو بھی خیرباد کہنے والی ہیں۔ خیر ہمیں اس سے کیا ہمارا مدعا دونوں صورتوں سے حاصل ہوتا ہے مگر میں بلاتردد کہتا ہوں کہ حسب روایات علمائے سنیہ حضرت عمر کا سن بوقت خطبہ ساٹھ برس کا اور حضرت ام کلثوم کا چار یا پانچ سال کے درمیان تھا۔ اور بعد عقد اندازاً تین سال زندہ رہکر حضرت عمر سنہ ۲۳ھ میں جبکہ آپ کی عمر ترسیٹھ سال کی تھی اپنے مقر اصلی کو سدھارے اندریں صورت بروئے حساب ام کلثوم کسیطرح لایق ہم بستری بھی نہ تھی چہ جائیکہ دو بچے زید و رقیہ کا پیدا ہونا کسی ملک کی عورت اتنی مدت میں مرد کی صحبت نہیں اٹھا سکتی تعجب ہے کہ ترسیٹھ برس کا بوڑھا جو خود کہہ رہا ہے کہ میں عورت کے قابل نہیں جوان گور میں پیر لٹکائے بیٹھا ہے سات برس کی بچی اس پیرانہ سالی سے دو بچے جن رہی ہے میری نگاہ سے تو ایسی مثال۔ نہیں گذری شاید مظہر صاحب کے یہاں اسکی مثال موجود ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ مظہر صاحب یہ خیالی پلاؤ کیونکر پکا سکتا ہے اس معاملہ میں دو واقعات محال ہیں محال اول بوڑھے نامرد سے جو خود اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ میں عورت کی قابلیت نہیں رکھتا اولاد کا ہونا محال دوم سات سالہ لڑکی کا دو بچے جننا جس ام کلثوم کو مخطوبہ عمر بتلایا جاتا ہے اور جس سے زید و رقیہ کا پیدا ہونا ظاہر کیا گیا ہے وہ حسب روایات اہلسنت سنہ ۲۰ھ میں جبکہ حضرت عمر کا سن ساٹھ سال تھا پانچ برس کی تھی اور ام کلثوم بنت جناب امیر علیہ السلام اسوقت عاقلہ بالغہ راشدہ و جوان تھیں کیونکہ باتفاق امت سنہ ۲ھ میں حضرت امیر کی شادی ہوئی اور سنہ ۱۱ھ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا انتقال ہوا پس نو برس سے کچھ کم دونوں کا ساتھ رہا اس عرصہ میں پانچ اولادیں ہوئیں حسنؑ حسینؑ زینبؑ ام کلثومؑ و محسنؑ سلام اللہ علیہم اس واقعہ میں اگر زیادہ وسعت دی جاوے تو ولادت ام کلثوم سنہ ۸ھ یا ۹ھ ہو سکتا ہے

اس سے کوئی زیادہ زمانہ نہیں ملتا۔ شنہ سے ۲۰ نہ تک بارہ تیرہ برس ہوتے ہیں اس حساب سے
بالاتر کوئی دوسری صورت ممکن نہیں پس جتنی روایات متعلق بہ سن و سال ہیں وہ اس ام کلثوم
کے مقابلہ میں کچھ اثر نہیں رکھتیں اگر کہا جاوے کہ رواۃ نے اظہار عمر میں غلطی کی ہے تو کیا
سب کے سب غلطی میں پڑ گئے ایک بھی جادہ صحت پر نہ رہا اگر میں کچھ عرصہ کے لئے اس غلطی کو تسلیم
کرلوں اور مسٹر مظہر جو آج کل کے محقق ہیں انکا قول مان لوں تو اس حصہ روایات کو کیا کہا
جاویگا جسمیں ام کلثوم کا حضرت عمر کے پاس جانا اور انکا گود میں بٹھا کر ان حرکات شنیعہ کا
ارتکاب کرنا جو روایات میں درج ہیں کیونکہ بارہ تیرہ سالہ بالغہ راشدہ لڑکی کا کسی کے پاس
بغرض پسند و غیر پسند بھیجنا بالکل ہی گناہ عظیم ہے میں چار یا پنجسالہ بچی کے لئے گوارا نہیں کرتا
چہ جائیکہ ۱۲-۱۳ سالہ بالغہ کے لئے اسحالت میں عمرؓ و علیؓ دونوں ملزم قرار پاتے ہیں عمر پر
یہ الزام کہ جناب امیرؑ کو مجبور کرکے انکی لڑکی کو اپنے پاس بلایا اور پھر اس سے وہ کارروائی
کی جو شرعاً حرام محض ہے اور علیؑ پر یہ الزام عاید ہوتا ہے کہ انہوں نے بالغہ کو نابالغہ بیان کرکے
معاذ اللہ صریح جھوٹ بولنے کا ارتکاب کیا اور جوان بیٹی کو بناہ بخدا اجنبی آدمی کے پاس بغرض
پسند و ناپسند بھیجدیا جو قطعاً حرام ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ مظہر صاحب ایک جز یا چند اجزائے
روایت کو جھوٹا بتادیں اور جسے بحق خود نافع سمجھیں اسے سچا یاور کریں شاہ ولی اللہ
صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم صفحہ ۱۱۴ پر لکھتے ہیں کہ امام شافعی کا قول
ہے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ حدیث کا ایک حصہ صحیح مانا جاوے اور ایک حصہ غلط عبارت یہ ہے
(قال الشافعی فکیف یوخذ بعض الحدیث ویترکہ بعضہ) پس اب یہ لازم ہے
کہ تلاش کیا جاوے کہ وہ کونسی ام کلثوم ہے جو ۳۰ شنہ میں پانچسالہ تھی سو اسکی حقیقت یہ
ہے کہ وہ ام کلثوم بنت ابی بکر ہے چنانچہ کتاب اسماء الرجال کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے (ومات
ابوبکر لیلۃ الثلثا وقیل یوم الاثنین جمادی الآخر سنہ ثلاثہ وعشر) یعنی ابوبکر
نے شب سہ شنبہ یا یوم دوشنبہ ۱۳ سنہ ھ میں انتقال کیا کتاب اصابہ کے صفحہ ۲۴۳ پر
لکھا ہے کہ ہنگام وفات ابوبکر ام کلثوم شکم مادر میں تھیں عبارت یہ ہے (ام کلثوم بنت
ابوبکر الصدیق التمیمیہ وتابعۃ مات ابوھا وھی فی حمل فوضعت بعد وفات
ابیہا) علاوہ ازیں کتاب کشف المغطاء ترجمہ موطا مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کے
صفحہ ۴۸۸ سطر ۲۰ پر لکھا ہے حضرت ابوبکر نے عائشہ سے کہا کہ میرے مرنیکے بعد جیسے

بنت خارجہ کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوگی چنانچہ وہ پیدا ہوئی اور اسکا نام ام کلثوم رکھا
گیا۔ جبکہ وفات ابوبکر ۱۳ھ میں واقع ہوئی تولا محالہ ام کلثوم بنت ابوبکر ۱۴ھ میں پیدا ہوئی
اور ۲۰ھ جسمیں عمر نے عقد کیا چھ برس کا فاصلہ ہے پس بلا اشتباہ واضح ہوگا کہ وہ یہی ام کلثوم
دختر ابوبکر تھی جسکا حضرت عمر نے منہ چوما سینہ سے لپٹایا ساق پا کھولی سب کچھ کیا خیر ہمیں اس
سے کیا مطلب انکے محسن کی صاحبزادی تھی جو کچھ اس سے کیا حق احسان ادا کیا جس لڑکی
کو مولوی حیدر علی صاحب وابن حجر وابن جوزی وغیرہ علمائے پنج شش سالہ لکھا تھا
بحمد اللہ اسکا پتہ چل گیا دختر ابوبکر چونکہ بوجہ اسماء بنت عمیس حضرت علیؑ کے گھر پرورش
پائی تھی لہذا غلط نویسان فرقہ مدعیان نے ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا تھا علاوہ بریں
ملک العلماء دولت آبادی کتاب ہدایت السعداء میں فرماتے ہیں (اسماء بنت عمیس اول زن
جعفر طیار بود بازدر نکاح ابوبکر آمد از ابوبکر یک پسر و یک دختر ام کلثوم نام زائید بعد ازاں بنکاح علی
ابن ابی طالب آمد ام کلثوم ہمراہ مادر در آمدہ عمر ابن خطاب با ام کلثوم دختر ابوبکر نکاح کرد)
الغرض یہ لڑکی خواہ اسماء کے بطن سے ہو یا کسی اور زوجہ ابوبکر سے مگر بوجہ انسیت اسماء
کے ہمراہ رہتی تھی حضرت امیرؑ نے اپنی منکوحہ اسماء کی سفارش سے بوجہ سرپرستی کوشش فرمائی
تھی ذخایر العقبیٰ کے صفحہ ۸۳ پر لکھا ہے (فاقبل علی وقال انہا صغیرۃ فقال عمر
لا واللہ ماذالک ولکن اردت منعی) یعنے عمر کے خواستگار ہونے پر علیؑ نے عذر کیا کہ
وہ لڑکی صغیرہ ہے قابل عقد نہیں عمر نے کہا کہ درحقیقت ایسا نہیں جیسا کہ آپ کہتے ہیں بلکہ
آپ کا ارادہ ہی نہیں کہ میرے ساتھ نکاح کریں یہ بہانہ صغیر سنی ٹالنا چاہتے ہیں یہ معاملات
تمام دختر ابوبکر کے لیئے پیش آئے سخن تراش لوگون نے اتنی بات کا بتنگڑ بنا کر پورا مضمون
بنا لیا اور ایک فضول دوا ہی بات کو گھڑ مڑھ کر طوفان بے تمیزی برپا کر دیا آپ کا دعوے ہے کہ
حضرت عمر وجناب امیرؑ میں از حد اتحاد تھا تو اتحاد تھا کہ آپ نے بطیب خاطر ورضامندی وخوشدلی
اپنی لڑکی کا عقد کر دیا روایت ذخایر العقبیٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نے عذر صغر سنی پیش
کیا تو عمر نے اس کو نہ مانا بلکہ معاذ اللہ ان کو اس معاملہ میں خلاف گو سمجھا واقعی دوست ایسے ہی
ہوتے ہیں کہ اپنے حبیب کو جھوٹا سمجھیں شاہ صاحب تحفہ نے حضرت امیر کی نسبت لکھتے
ہیں (کہ نزد شیعہ معصوم ونزد اہلسنت صادق است) تعجب ہے جسے حضرات اہلسنت
صادق جانیں اسے ان کا بیر کاذب سمجھے بھلا یہ بھی کوئی اتحاد ہے کہ بیٹی واللہ یا کسی لڑکی

کا مربی و سرپرست جس کے ہاتھ میں اس کا نکاح کر دینا ہو کہہ رہا ہے کہ لڑکی کم عمر ہے ابھی نکاح
کے قابل نہیں ہوئی اور داماد ہے کہ اینٹھے بیٹھے ہوئے ہیں کہ نہیں وہ قابل شادی ہے آپ
بیجا عذر کر کے حیلہ و حوالہ سے ٹالنا چاہتے ہیں اگر دنیا میں اسیطرح ناطہ ورشتہ ہوا کرتا ہے اور
اتحاد و ارتباط و محبت و اخلاص اسی کا نام ہے تو نہ معلوم عداوت و خصومت کیا ہو گی
علاوہ بریں عمر کی تین بی بیوں کا نام ام کلثوم تھا اول ام کلثوم بنت جرول خزاعیہ جس سے
عبید اللہ و زید پیدا ہوئے اور یہ وہی عبید اللہ ہیں جو بمقام صفین جناب حضرت علیؑ کے
مقابلہ میں معاویہ کی اعانت کرتے ہوئے مارے گئے تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۲۲ اور کتاب
اصابہ صفحہ ۳۴۳ چنانچہ بخاری میں بھی اس کا ذکر ہے کہ جب عمر نے اسلام قبول کیا تو اس
بی بی نے شوکت عمریہ کو نہ مانا اور اپنے مذہب قدیم پر قائم رہی تب عمر نے اسے طلاق دیکر گھر
سے باہر کیا دوسری زوجہ عمر ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تفسیر کبیر کی جلد ہشتم کا صفحہ ۱۹۱
ملاحظہ ہو لکھا ہے کہ یہ بی بی پہلے عمر ابن العاص کی بی بی تھیں عالم جوانی میں اسے چھوڑ کر
آئی اور عمر کی گلوگیر ہوئی بخاری شریف کی تیسری جلد صفحہ ۶۷ پر بھی اس کا حال درج ہے نیز
قسطلانی مطبوعہ نولکشور کی چوتھی جلد صفحہ ۲۴۹ پر بھی لکھا ہوا ہے تیسری زوجہ ام کلثوم جمیلہ
بن عاصم بن ثابت حمی الدین تھی تاریخ خمیس مطبوعہ مصر کی جلد دوم کا صفحہ ۲۵۱ ملاحظہ ہو
پس حسب تصریح علمائے اہلسنت و مورخین یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ حضرت عمر کی تین جورئیں
مسمی بہ ام کلثوم تھیں یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کی کنیت ام کلثوم ہو جیسا کہ مسٹر مظہر قران
السعدین میں رقمطراز ہیں ان تینوں میں ایک دختر ابوبکر مسمیٰ بہ ام کلثوم ہیں جن سے
نسبت ہو کر عقد ہوا یا بکوشش عائشہ و عمر عاص چھوٹ چھٹا ہو گیا غرض ان ساڑھے
تین ام کلثوم کے واقعات نے رواۃ اہلسنت کو یہ مغالطہ دیا کہ ام کلثوم بنت علیؑ ہے بعض
واقعات بمنسوب کر کے ایک غلط ملط بات بنادی جس سے متاخرین دھوکے میں مبتلا ہو کر
متفق طور پر اس بات کے معتقد ہو گئے کہ دختر علیؑ سے عمر کا عقد ہوا زیادہ خرابی اس معاملہ
میں ام کلثوم بنت ابوبکر کے کچے رشتہ نے ڈالدیا اس پر حضرت علیؑ کا انکار بدلیل صغر سنی
سنیونکے لئے اور بھی سونے میں سہاگہ کا کام دیگئی اس لئے تو گل ادم بنایا مگر آپ جیسے یاروں
کے ہاتھ شگوفہ آیا جس سے جیسا ہو سکا بغرض اثبات فضائل عمر و استحکام مودت بخاندان نبوت
حضرت ام کلثوم بنت علیؑ سے مضمون چسپاں کر دیا اولاد وغیرہ سب کچھ ہو گئی مگر جو ٹھ کے

پاؤں کب ہوتے ہیں کتنی ہی ثبوت کرو کہیں نہ کہیں رخنہ رہ ہی جاتا ہے ولادت زید وکم سنی ام کلثوم ونامردی عمر بقول خود عمر نے تمام واقعہ کی حقیقت واصلیت کو ظاہر کر کے رکھ دیا افسوس مسٹر مظہر صاحب اور تو سب کچھ بنا گئے گیا تھا اگر آپ اتنی اور کوشش وسعی فرماتے کہ آخر عمر میں حضرت عمر کا اس شادی کے بعد علاج نامردی کیا گیا تھا اور آپ عورت کی ہمبستری کے قابل ہو گئے تھے تو کچھ بات بن جاتی آپ ڈاکٹر صاحب کے فرزند تھے بہ اصول طبی یہ عیب دور کرنا ضروری امر تھا مگر افسوس آپ بھول گئے قصہ مختصر تاریخ کامل سے اوپر دکھا چکا ہوں کہ ام کلثوم بنت جرول خزاعیہ سے زید پیدا ہوا تھا دار قطنی وشاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے بھی اسی کو تسلیم کیا ہے کہ عبیداللہ ابن عمر جو جنگ صفین میں بہ طرفداری معاویہ حضرت علیؑ کے ہاتھ قتل ہوا اور زید دونوں ام کلثوم مذکورہ کے شکم سے پیدا ہوئے تھے سوائے ازیں برکات حسین سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ ضلع ایٹہ نے رسالہ مسمٰی بہ قول موثوق بہ ثبوت عقد ام کلثوم لکھا ہے وہ بھی رسالہ مذکور کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ سیب وزید وعبیداللہ ام کلثوم مذکورہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے مروج المذہب مسعودی میں لکھا ہے کہ عبد اللہ وحفصہ وعاصم وفاطمہ وزید ایک زوجہ سے تھے اور شحمہ جس پر حد شراب جاری ہوئی تھی اور دیگر لڑکیاں اور بی بی سے تاریخ کامل جلد پنجم صفحہ ۲۴۴ پر بھی یہی درج ہے صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ (امیر المومنین عمر شش زن بحبالۂ نکاح داشت ازاں جملہ یک ام کلثوم بنت جرول خزاعیہ است) ان سے دو بیٹے ایک زید دوسرا عبداللہ ہوا اب ناظرین انصاف فرماویں کہ زید ابن عمر بنت جرول خزاعیہ سے پیدا ہوا تو اسے ام کلثوم دختر علیؑ بیان کرنے میں دشمنان اہلبیت کس درجہ راہ راستی سے دور ہو گئے ملک العلماء دولت آبادی ہدایت السعداء کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں کہ ام کلثوم صغر سنی میں مر گئی اور کوئی اولاد اس کے نہ تھی عبارت یہ ہے (ام کلثوم ماتت فی الصغر عند عمر ابن الخطاب لا عقب لها) اس تحریر نے دشمنان مر تغویہ کے تمام منصوبہ پر پانی پھیر دیا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ام کلثوم اور زید نے بعہد معاویہ ایک وقت میں انتقال کیا ملک العلماء بعہد عمران کا مرنا اور دنیا سے لاولد جانا بیان کرتے ہیں غرضکہ میں کہاں تک ان کے جھوٹ وافترا پردازی کو ظاہر کئے جاؤں اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں رہا معاملہ کفاءت دیکھنا ہے کہ حضرت

عمر کا اس پر کیا عمل تھا ہر قوم و ہر ملک میں گوت و خاندان پر لحاظ ہوتا ہے حتٰے دنیا کی چھوٹی اور ذلیل قوموں میں بھی اسی امر کی پابندی ہیں البتہ اسلام نے یہ قید اٹھادی باہم اہل اسلام رشتہ و تناسب کر سکتے ہیں مگر مشاہدہ و عمل در آمد زمانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام اس پر عمل نہیں کرتے صرف جواز ہی جواز ہے اگر اونچی نیچی قوم کا آپس میں رشتہ ہو جاوے تو وہ حرام نہیں مگر عمل اس پر ہے کہ ہر قوم اپنی قوم میں بیاہ شادی کرتے ہیں مکہ معظمہ کے رہنے والے مسلمان قریش کہلاتے تھے اس میں بنی ہاشم اعلےٰ درجہ پر سمجھے گئے قریش کی لڑکیاں بنی ہاشم سے تو بیاہی گئیں جیسے ام المومنین عائشہ و حفصہ مگر ہاشمی عورت قریش میں نہیں گئی چنانچہ مسلمانوں میں آجتک یہ دستور چلا آتا ہے کہ فخر و عزت سمجھکر سادات کو بیٹی دیدیتے ہیں مگر ادنےٰ غریب سے غریب سید کی طرف بڑے سے بڑا امیر آنکھ اٹھا کر نہیں اگر ایسا کوئی معاملہ ہوا بھی ہو تو شاذ و نادر ہے اور النادر کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے اور اگر ایسا ہو بھی تو میرے نزدیک وہ صحیح النسب سادات کا فعل نہ کہا جاوے گا اور نہ ایسے فعل کا مرتکب سید کہلانے کا استحقاق رکھتا ہوگا۔ مسٹر مظہر صاحب آپ سید کہلاتے ہیں اور میں بھی شریف خاندان کا نام لیوا ہوں اگر آپ سے ایسے رشتہ کے لئے خواہش کروں تو آپ مجھے غیر کفو سمجھکر کبھی میری درخواست قبول نہ فرماویں گے۔ تمام کتب سنیہ میں درج ہے کہ بعد بلوغ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اکثر لوگوں نے جو غیر آل ہاشم تھے اور ہر طرح کی قوت مالی رکھتے تھے جن میں آپ کے خلفا بھی شامل تھے آنحضرت سے درخواست عقد کی آپ نے فرمایا مجھے اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں انتظار وحی ہے جیسا حکم الٰہی ہوگا ویسا عمل کیا جاویگا چنانچہ آپ نے حسب الارشاد باری عز اسمہ اپنی اکلوتی بیٹی کا ایسے شخص سے عقد کیا جس کے پاس ایک پیالہ مٹی کا نہ تھا اور جسے ہجوم اسباب فلاکت و افلاس نے ہر وقت گھیر رکھا تھا دو وقت روٹی بھی سیر ہو کر کھانے کو نہ ملتی تھی ہمارے حضرت نے اسکی کچھ پرواہ نہ کی کہ مفلس اور تہی دست کے گھر میری چاہیتی صاحبزادی پر کیا گذرے گی سب کو علم ہے جو عیش حضرت فاطمہ کو علی کے گھر میں ملا ہمیشہ چکی پیستی رہیں گھر کا کام کاج کیا تن بھر کپڑا پیٹ بھر روٹی کبھی نصیب نہ ہوئی مدام فاقہ کشی میں گذری چنانچہ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں ع آسیہ گردان و لب قرآن سرا ۔ امرا جلیل القدر کا پیغام رد کر کے آنحضرت نے جو ایک نادار و مفلس شخص کے حوالے

اپنی بیٹی کردی اسکے لئے کوئی خاص سبب ہونا چاہیئے باوجودیکہ حضرت رسالت پناہی کو جناب فاطمہؑ سے خاص محبت تھی سوائے آنحضرتؐ کسی باپ کو نہیں دیکھا گیا کہ وہ بیٹی کے ساتھ تعظیماً پیش آتا ہو ہمارے حضرت جب سفر کو جاتے تو سب سے آخر جناب سیدہ سے ملتے اور جب سفر سے گھر آتے تو سب سے پہلے اپنی دختر سے ملاقی ہوتے اس خلاف عادت محبت کی وجہ یہ تھی کہ اول تو تمام متاع زندگی میں ایک بیٹی اور وہ بھی ملی اور پھر ایسی مادر کے شکم سے جسکی نیک و پاک دولت نے ابتدائے اسلام میں دین خدا کی مدد کی اور نیز یہ بھی آپ کو علم تھا کہ اسی کے ذریعہ سے ہماری نسل تا خاتمۂ دنیا تمام نہوگی اسی کی اولاد خدا کے راستہ میں رنج و مصیبت اٹھا کر میری نبوت کے تکمیل کا سبب ہوگی اسی کا فرزند شہید ہوکر افراد شہدا میں ہمیں داخل کریگا اسی کی اولاد کو خدا وہ عزت و رفعت عطا کریگا کہ بھائی عیسےٰ آسمان چہارم سے توجہ فرمائے خاکدان عالم ہوکر اس کے پیچھے مثل دیگر ماموبین نماز پڑھیں گے پس ایسی صاحبزادی کا سوائے پابندی کفاوت علیؑ سے ساتھ عقد کردینا اور کیا معنی رکھتا ہے خود رسولؐ نے فرمایا ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو ہی نہ تھا ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ بنی ہاشم کا کفو و ہمسر سوائے بنی ہاشم دوسرا نہیں چنانچہ صواعق محرقہ کے صفحہ ۱۶۱ پر لکھا ہے (از خصایص پیغمبر است کہ اولاد بنات آنحضرت با نحضرت منسوب اند در کفاءت وغیر آن و اما اولاد بنات دیگر بہ اجداد و مادر منسوب نمی شوند در کفاءت وغیر ذالک چنانچہ زنے شریفہ ہاشمیہ کفو مردے غیر شریف نیست) سوائے ازیں خود حضرت عمر کو بھی اسبارہ میں سعی بلیغ تھی کہ نکاح میں صاحبان حسب و نسب کا ضرور لحاظ کیا جاوے چنانچہ ازالۃ الخفاء کے صفحہ ۱۰ پر شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے منع کیا ہوا تھا کہ مہاجرہ سے غیر مہاجر چونکہ شرف ہجرت میں گھٹا ہوا ہے عقد نکرے عبارت کتاب یہ ہے (قال لامنعن فروج ذوات الاحساب الا من الاکفاء) علاوہ ازیں کنز العمال میں مرقوم ہے کہ (ان عمر لیشدد فی الاکفاء) یعنے عمر نے غیر کفو سے عقد کرنیکو منع کیا ہے اب ذرا صاحبان بصیرت انصاف سے دیکھیں کہ جب حضرت رسالت پناہی کی کفاءت کے لئے یہ پابندی تھی اور حضرت عمر خود اسبارہ میں کیسے پابند تھے تو یہ واقعہ کیسے ہوسکتا تھا کیا حضرت عمر نے اپنی عادت کے خلاف

وانامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم اپر عمل کرے ایسا فعل کیا کیا آپ کی عدالت اسی امر کی مقتضی تھی کہ لوگوں کو غیر کفو میں عقد کرنے سے روکیں اور خود اسپر عمل نہ کریں میرے خیال میں سوائے بد دیانتی وخیانت رواۃ اور کچھ نہیں کتاب ذوالفقار حیدری جلد ہفتم میں ہر روایت کے راوی کی تضعیف وتکذیب ہے ؏

(فصل دربارۂ تحقیقات تدین روایت واقعہ عقد)

بلکہ انکے ناقلین کی مقدوجیرت اور جن سے کتابوں میں درج ہیں انکی تعویت برا قوار علمائے اہل سنت نہایت بسط سے درج ہے اگر شوق ہو ملاحظہ فرماویں یہاں پر مختصراً کہتا ہوں امید ہے کہ صاحبان انصاف کے لئے اسی قدر کافی ہوگا۔ مولوی حیدر علی فیض آبادی مؤلف منتہی الکلام ازالۃ الغین کے صفحہ ۲۶۹ پر بحوالہ کتاب اصابہ فی معرفۃ الصحابہ لکھتے ہیں کہ سفیان ثوری جو بڑے پایہ کے بزرگوار عالم مانے ہوئے ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جسوقت حضرت عمرؓ نے ام کلثوم سے منگنی کرنی چاہی تو انکی درخواست پر حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ لڑکی کم سن ہے قابل عقد نہیں اس عذر پر لوگوں نے عمر کو برانگیختہ کیا کہ علیؑ تمکو دختر دینی نہیں چاہتے اس لئے تمہاری درخواست پر اعتنا نہیں کیا اور اسے فضول وبیوقعت سمجھ کر رد کردیا دوبارہ عمر نے یہ امر خواہش کی تب حضرت علیؑ نے لڑکی کو عمر کے پاس بھیجدیا اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ رضامند ہیں تو وہ آپکی زوجہ ہے جب ام کلثوم عمر کے پاس آئیں تو انہنے چادر کھینچی منہ چوما سینہ سے لگایا ران کھولی اسپر ہاتھ پھیرا اور لڑکی یہ حرکات دیکھ کر کہنے لگی کہ اگر تو امیر المؤمنین نہ ہوتا تو میں تیرا ناک توڑ ڈالتی اور آنکھ پھوڑ دیتی اس سچے اور راست باز وسخت ایمان دار کا وہی بیان ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اہلسنت کے نزدیک یہ شخص بڑا ثقہ اور عادل ہے اور سلسلہ ولایت کو آپ تک پہنچاتے ہیں مگر ملا علی قاری شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں کہ چار شخص سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ واعمش بن اسحاق واسحاق بڑے مدلس تھے ہمیشہ تدلیس کرتے یعنی کہیں کا مضمون کہیں چسپاں کرتے مثلاً زید کے حالات بکر کے واقعات سے ملادیتے فی الواقعہ ملا علی کا کہنا سچ ہے اسی قصہ عقد میں آپکی گھڑت اور تدلیس نے اسلامی دنیا میں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے ابن جوزی تدلیس کو فعل شیطانی اور علامہ سیوطی بدتر از زنا فرماتے ہیں سب سے بالاتر یہ ہے کہ سفیان ثوری اہلبیت کرام کے کھلے ہوئے دشمنوں میں سے تھے ہمیشہ ائمہ اطہار پر اعتراض

کرتے رہتے الواقع الانوار کے صفحہ ۲۴ احلیۃ الاولیا کی جلد دوم صفحہ ۱۸ تہذیب التہذیب کے صفحہ ۹۸ اور
مطالب السئول کے صفحہ ۳۷۴ و تذکرۃ خواص الامہ ابن جوزی کے صفحہ ۳۴۵ اور فصول
المہمہ کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس بزرگوار
کو اپنی مجلس سے نکالدیا تھا کیونکہ یہ آنحضرت سے ہمیشہ بر سر پرخاش و مخالفت
رہا کرتا تھا اب ناظرین خود انصاف فرمادیں کہ جو شخص ہمیشہ تدلیس کرتا ہو اور اہلبیت
علیہم السلام سے عناد رکھتا ہو اور دربار در دربار ائمہ سے نکلوایا گیا ہو اس شخص کی روایت
ایسے واقعہ کی نسبت کسطرح قابل پذیرائی ہو سکتی ہے راوی دوم زید بن اسلمہ ہے۔
جسکی روایت کو اصابہ کے صفحہ ۴۲۳ سے حیدر علی فیض آبادی نے ازالۃ العین
کے صفحہ ۲۷۹ پر یوں نقل کیا ہے کہ بہ تعین چالیس ہزار مہر عمر نے ام کلثوم سے عقد
کیا اس راوی کی روایت سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کے چالیس ہزار مہر کے عوض
ام کلثوم کا عقد ہوا نہ معلوم مولوی حیدر علی صاحب نے اس کو دختر حضرت علی کیونکر
قرار دیا ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عمر کی تین بلکہ ساڑھے تین عورتوں کا نام ام کلثوم تھا اگر یہ رقم
مہر صحیح بھی سمجھی جائے تو ان میں سے کسی کے ساتھ اسکا تعلق ہوگا ام کلثوم بنت علی کا کسی حالت
میں چالیس ہزار روپیہ مہر نہیں ہو سکتا اور نہ عمر اس قدر دولتمند تھا کہ جیب خاص سے
اتنی بڑی رقم ادا کر سکتا بلکہ اس کی کوشش یہ تھی کہ عورتوں کا مہر کم ہوا کرے چنانچہ ہر
ایک بات کو بالصراحت عرض کرتا ہوں تاکہ مسٹر مظہر کو بھول و قوت الٰہی یارائے دم زدن
نہ رہے امر اوّل ام کلثوم بنت علی کا مہر کثیر تعداد یعنی چالیس ہزار کیوں نہ ہو سکتا تھا
جناب رسولخدا نے بہ خیال سہولیت امت اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا مہر بہت ہی
قلیل مقدار میں بحساب یہاں کے ایکسو سات روپیہ مقرر فرمایا آنحضرت نے اپنے فعل سے
امت کو سبق دیا کہ وہ بھی اپنی لڑکیوں کا مہر ہلکا اور کم مقدار مقرر کریں کوئی مسلمان اس
بات کے ماننے کو تیار نہ ہوگا کہ جناب امیر خلاف سنت رسول کرتے یہ خاندان مروج شریعت
و اہلبیت احیا کنندہ سنت نبویہ تھا نہ کہ اسکا مخالف کرنیوالا مہر کا بالمثل ہونا بھی شرائط مہر
سے گو وجوباً نہ ہو مگر استحباباً تو ضرور داخل ہے مہر بالمثل اسی کو کہتے ہیں جو بہن کے
مہر کی تعداد سے ملتا جلتا ہو جبکہ حضرت فاطمہ کا مہر ایک سو سات روپیہ ہو تو بیٹی کا چالیس
ہزار کیونکر ہو سکتا ہے امر دوم حضرت عمر اس قدر دولت و ثروت سے نہ تھے کہ اتنی بڑی

رقم جیب خاص سے نکالتے تمام کتب معتبرہ اہلسنت میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت عمر نے
بیت المال سے کچھ روپیہ لے کر خانگی معاملات میں صرف کیا ہوا انتقال کرتے مرگئے مگر وہ
روپیہ بیت المال کا ادا نہ کرسکے یہانتک کہ مرتے وقت بیٹے سے کہا کہ بیت المال کا روپیہ
ادا کرکے مجھے سبکدوش کردینا اگر ادا نہ کرسکو تو بھیک مانگ کر ادا کرنا چنانچہ تاریخ الخلفاء
میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رقعہ بھیجکر داروغہ بیت المال سے ذاتی ضرورت کے لئے
روپیہ منگا لیتے تھے چنانچہ خزانچی نے جب تقاضا کرنا شروع کیا تو آپ نے بھی ٹالنا شروع
کردیا جب حساب پوچھا گیا تو تیس ہزار روپیہ برآمد ہوا اپنے صاحبزادے عبداللہ سے
کہا کہ بیت المال کے اس کمی کو پورا کردینا اگر کسی طرح ادائگی ممکن نہ ہو تو قریش سے
بھیک مانگ کر ادا کرنا فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی یہی لکھا ہے کہ خلیفہ نے
جو قرض چھوڑا وہ بیت المال کا تھا حضرت عمر قرضہ لینے اور اسکے ادا کرنے میں بڑے
جری اور دلاور تھے مناقب شہر آشوب میں لکھا ہے جسکا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا
ہوں امام شافعی ابوحنیفہ سے اور وہ عبداللہ بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں
کہ عمر کے زمانہ میں فارس و شوس و اہواز سے مال کثیر آیا اسوقت خلیفہ عمر نے بنی ہاشم
سے کہا کہ اگر اس مال سے بطور قرض دیدو تو میں دوسرے وقت ادا کردونگا حضرت علی
نے فرمایا کیا مضائقہ مگر حضرت عباس نے کہا کہ ہم کو اپنے مال کے ضائع ہونیکا احتمال
ہے آخر الامر وہی ہوا جو عباس نے کہا تھا عمر مرتے مرگئے مگر ایک کوڑی بنی ہاشم کو نہ دی
بس جس شخص کا یہ حال ہو کہ خداوبندگان خدا کا مال ایسا ہضم کرجائے کہ ڈکار تک
نہ لے وہ ایک بی بی کا اتنا بڑا مہر کہاں سے دے سکتا تھا۔ علاوہ برایں شاہ عبدالعزیز
دہلوی تحفہ میں لکھتے ہیں کہ عمر نے حکم دیا کہ جو عورت اپنا مہر زیادہ قرار دیگی اسے تادیب
کیا جاویگا اور زر مہر داخل بیت المال ہوگا ایک عورت نے یہ سنکر آیہ قرآن سے استدلال
کیا کہ عورتوں کو دربارہ مہر اختیار ہے جتنا چاہیں مقرر کریں عمر نے انتہائے انفعال
سے کہا کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال ، یعنے عمر سے سب لوگ فقیہ تر
ہیں یہانتک کہ پردہ میں بیٹھنے والی عورتیں مگر آپ کا عمل اسی پر رہا کہ کوئی عورت
زیادہ مہر مقرر نہ کرے بس جو شخص مقدار معمولی سے زیادہ تقرر مہر پسند نکرتا تھا وہ
اپنے لئے کب گوارا کریگا کہ اتنی بڑی رقم جیب سے نکالے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ

راوی کی من گھڑت ہے اور علاوہ بریں عمر کے غلام بھی ہیں چنانچہ حیدر علی ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۴
پر اسی نوعیہ عقد میں لکھتے ہیں کہ زید بن اسلم غلام عمر ہے یہ وہی قضیہ ہے کہ لومڑی کی گواہ اس کی دم
آقا کے نکاح کا غلام گواہ اور وہ بھی ایسے ذی عزت کہ جسے اہل مدینہ جھوٹا جانتے ہیں اور خود اسکے
آقازادے عبد اللہ بن عمر کہتے کہ یہ شخص تفسیر قرآن اپنی رائے سے کرتا تھا میزان الاعتدال جلد اول
کے صفحہ ۱۵۲ کو ملاحظہ فرمائیے خود حیدر علی صاحب منتہی الکلام کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں اگر روایت
زید بن اسلم استدلال احتجاج نخواہد بود ناظرین کو غور فرمانا چاہیئے کہ اولا تو یہ روایت ایسی بیجوڑ
اور وہ بھی عمر کے غلام کی اور غلام بھی کیسے جنہیں اہل مدینہ کاذب جانتے ہوں اور جو تفسیر قرآن اپنی
رائے سے کرتا ہو اور آنحضرت کا فرمان ہو من فسر القرآن برایہ فقد کفر جو شخص اپنی رائے
سے تفسیر قرآن کرے وہ کافر ہے علاوہ بریں حیدر علی صاحب جیسا اگر وکنشتال معتمد نہ سمجھے اسکی روایت
کیسے معتمد ہو سکتی ہے۔ فافہم وتدبر راوی سوم زبیر ابن بکار ہے مولوی حیدر علی نے کتاب ازالۃ الغین سے
ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۷ پر زبیر کی روایت کو یوں نقل کرتے ہیں کہ ام کلثوم کے بطن سے زید اور رقیہ
اور دو لڑکی پیدا ہوئی ام کلثوم اور زید نے ایک وقت میں وفات پائی یہ قول زبیر مثل قول زید بن
اسلم غلام عمر بے پتہ ہے خود زید نے تعداد مہر ظاہر کی یہ بزرگوار اولاد گنوانے لگے وہ نکتے اسناد بیدلی
نکلے اور پھر ایک ہی دفعہ سب کا فاتحہ بھی کر دیا تمام زلیخا پڑھ گئے مگر حیدر علی بہ ایں کلہ و ہستہ یا
بایں ریش یہ نہ سمجھے کہ زلیخا مرد تھی یا عورت نہ معلوم علمائے سنیہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی مقبول
ولا طائل اقوال پیش کر کے شیعوں پر حجت قائم کرنا چاہتے ہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ دختر علی سے عقد عمر
ہوا اور ثبوت میں کہیں اسکا پتہ تک نہیں نہ معلوم کس ام کلثوم سے یہ دو اولادیں پیدا ہوئیں
علاوہ بریں یہ بزرگوار جن کا قول بہ ثبوت دعویٰ خود حیدر علی پیش کرتا ہے۔ دشمنان جناب
امیر علیہ السلام میں اعلیٰ درجہ پائے ہوئے ہے علامہ ذہبی میزان الاعتدال کے صفحہ ۱۴۵ پر
اسے جھوٹی حدیث بنانے والوں میں شمار کرتے ہیں یہ بزرگوار عجیب دل و دماغ کے تھے چنانچہ
ان کی راست بیانی کا ایک واقعہ نقل کرتا ہوں آپ نے بخوشامد حضرت عائشہ لکھدیا کہ جب
ام رومان والدۂ عائشہ نے قضا کی تو جناب سرور عالم اپنی خوشدامنہ کی قبر میں اترے اور انکے
لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا جسے حور العین کے دیکھنے کا شوق ہو وہ ام رومان کو دیکھے ابن حجر
عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری کے صفحہ ۲۵۰ پر لکھدیا کہ دعائے آنحضرت بقبر
ام رومان بالکل غلط ہے علاوہ بریں شکر کا مقام ہے کہ حضرت کا یہ فقرہ کہ جسے حور العین کے

دیکھنے کا شوق ہوا م روماں کو دیکھے لوگوں نے نہ سنا ور نہ جسطرح فراعنہ مصر کی نعشین اسکو دیہ کے
زور سے اب تک صحیح وسالم چلی آتی ہیں اسکی نعش بھی کسی عجائب خانہ میں رکھی جاتی اور ہر کہ وہ
حورالعین کے شوقین انہیں دیکھا کرتا سبحان اللہ ایسی بے پتہ روایت ایک کاذب اور دشمن جناب امیر ؑ
اس واقعہ کے اثبات میں کہاں تک حجت ہو سکتی ہے۔ راوی چہارم ابن اسحاق ہیں مولوی حیدر علی
ازالۃ العین کے صفحہ ۹۲۷ پر کتاب اصابہ سے آپ کی روایت کو بحوالہ ابو بشر دولابی اسطرح نقل
کرتے ہیں کہ جب ام کلثوم بنت علی ؑ عمر سے بیوہ ہوئیں تو عون بن جعفر سے آپ کا عقد ہوا تعجب ہے
اس راوی کی روایت پر ابن حجر صواعق محرقہ میں اور ابن عبد البر استیعاب میں اور واقدی اپنی تاریخ
میں معہ دیگر مورخین رقمطراز ہیں کہ عون بن جعفر جنگ تستر میں بعہد عمر شہید ہوئے ذخائر العقبیٰ
میں بھی اسی طرح نقل ہوا ہے جبکہ حسب روایات علمائے اہلسنت عون بعہد عمر شہید ہو چکے
تھے تو اسکا یہ کہنا کہ بعد عمر عون سے آپ کا عقد ہوا کس درجہ لایق استبعاد ہے اس سے بڑھ کر
ملاحظہ فرمائیے کہ ملک العلماء دولت آبادی ہدایت السعداء کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں کہ ام کلثوم
بہ زمانہ صغر سنی عمر کے گھر مر گئیں چنانچہ جہاں عمر کی تین یا ساڑھے تین بی بیوں کا ام کلثوم ہونا
ذکر کیا گیا ہے وہاں دولت آبادی کی عبارت کو نقل کر دیا ہے اس سے تمام دفتر گاؤ خورد
ہو گیا بھلا جبکہ ام کلثوم زندہ ہی نہ تھی تو بیوہ کون ہوئی اور عون سے کس کی شادی ہوئی حقیقت
الامر یہ ہے کہ علمائے معاویہ شاہی نے اختلاف بیان کرکے اس درجہ اظہار واقعات میں
ٹھوکریں کھائی ہیں کہ صحیح پتہ چلنا مشکل ہو گیا ہے ان کی روایت کے نفس بیان کا اقتدار تو دکھا
چکا ہوں اب ان کی دیانت کا اظہار کرتا ہوں میزان الاعتدال کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ ابو داؤد
نے اس کو قدری کہا ہے ہشام ابن عروہ و یحییٰ بن سعید نے اسے اکذب الناس کہا ہے
امام مالک اس کو دجال امت محمدؐ یہ کہتے ہیں یہ بزرگوار بڑے پایہ کے آدمی ہیں ایک روز یہی درآور دی
کو درس دیتے دیتے اونگھ گئے اس حالت میں دیکھا کہ ایک شخص نے انکو گدھے کی گردن میں رسی
باندھی اور اسے کھینچا چونکہ شاگرد سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ہم نے ایسا دیکھا ابھی آپ ذکر ہی فرما
رہے تھے کہ شاہی ملازم آئے اور آپ کو رسن بستہ دربار میں لے گئے وہاں لات گھونسے وغیرہ
سے خوب آپ کی استرکاری ہوئی اب ناظرین انصاف فرماویں کہ ایسے شخص کی روایت
جو کہ محض جھوٹا اور دجال امت و کذاب ہو اس امر نزاعی میں کیا اعتبار رکھتی ہے گواہ پنجم جناب ابو حنیفہ
مشہور بہ امام اعظم ہیں جو ہمارے مخاطبین کے دینی پیشوا و رہبر ہیں ازالۃ العین کے صفحہ ۹۰۷

پو حیدر علی لکھتا ہے (کہ نورالدین حسینی از رئیس المحدثین دار قطنی روایت مے نماید کہ ابوحنیفہ در
مدینہ بشرف خدمت امام باقرؑ مشرف شد ... روقتیکہ باشندگاں کوفہ را بہ سوئے خود راہ نمی داد و
آنہا را از نزد خود می نشانید ابوحنیفہ گوید کہ من مطلب امام را فہمیدم و بہ سوئے آنجناب نشستم و گفتم
در حق ابوبکر و عمر چہ میفرمائی فرمود کہ خدا رحمت کند برایشان عرض کردم کہ اہل کوفہ گویند کہ تو از
شیخین بیزاری فرمود کہ برب کعبہ قسم میخورم کہ آنہا بر من افترا مے کنند آیا تو نمیدانی کہ حضرت علیؑ
ابن ابی طالب دختر خود را کہ نام او ام کلثوم بود از بطن مبارک حضرت فاطمہ زہراؑ پیدا شدہ
بنکاح عمر در آورد جدّا و حضرت پیغمبر خاتم المرسلینؐ است وجدّہ او خدیجۃ الکبریٰ سیدہ اہل
الجنۃ و برادرش حسن و حسین سرداران اہل بہشت و عمّ او حمزہ و جعفر ابن ابی طالب اگر
... عمر ابن خطاب را مستحق تزویج نمیدانست زینہار دختر او را کہ حالش دانستی بنکاح عمر نمی
... ابوحنیفہ گوید کہ بعد ازاں گفتم کہ کاش این مضمون را باہل عراق در مکتوبے مینوشتی کہ
... ازاں تہمت مبرا ہستی فرمود کہ اہل عراق اطاعت من نمے کنند ترا گفتم کہ نزد من منشین بر
گفتہ من عمل نکردی آنہا کہ سر از شریعت مے تابند سخن مرا کے گوش می کنند۔ یہ ہے آپ کی
روایت جس پر حیدر علی کو بڑا ناز ہے ھذا الضاف ... اس روایت کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے
ابوحنیفہ فی الاصل غلام تھے چنانچہ اسی باعث امام فخرالدین رازی نے امام شافعی سے آپکو
کم رتبہ سمجھا ہے شبلی نعمانی بھی سیرۃ النعمان کے صفحہ ۱۷ پر آپ کے غلام ہونیکو تسلیم کرتا ہے
آپ کے مسکن کا یہ حال ہے کہ کوئی کابلی اور کوئی عجمی کوئی عربی النسل کہتا ہے فی الاصل آپکا
دادا زوطی نام کابل سے اسیر ہوکر آیا اور عرب کے قبیلہ بنی تیم کی ایک عورت کے غلام رہے
پیشہ آپ کا خز بافی جیسے ہندوستان میں جولاہا کہتے ہیں جیسی بحکم الجنس یمیل الی
الجنس تمام دنیا کی چھوٹی اور رذیل قومیں مثلاً جولاہے میراسی ڈوری باف رفوگر موچی
وغیرہ آپ کو اپنا امام اور پیشوا جانتے ہیں گویا آپ بڑے پکے نلی جنگ بہادر ہیں اب رہی روایت
اس کے ناقل نورالدین حسینی ہیں جنہیں سمہودی بھی کہا جاتا ہے انہوں نے دار قطنی سے
یہ مضمون نقل کیا ہے لہذا میں اول نورالدین کی حقیقت بیان کرتا ہوں کہ وہ کس پایہ کے
بزرگوار تھے اور بعد میں دار قطنی کی کیفیت عرض کرونگا پھر جولاہے صاحب کے حالات
... خندہ روشنائی سے قلمبند کرونگا نورالدین کی تصانیف سے تاریخ مدینہ و جواہر العقدین
... رشید الدین شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی مولف شوکت عمریہ کہتے ہیں (کہ کتاب

جواہر العقدین و المفید انیم و مصنف اور ابن شہر آشوب ذکر ایں قسم مجہولین بخبر اظہار حمق فائدہ
نہ بخشد) ذرا انصاف سے سوچئے جس شخص کو اس قدر تہذیب ہی کے عالم جاہل نظر آئیں
وہ فرقہ حقہ کے مقابل کیا اعتبار اور وقعت پیدا کر سکتا ہے رہے دار قطنی صاحب انکی نسبت
کتاب سعی مشکور کے صفحہ ۳۰۴ پر لکھا ہے کہ اس نے روایات ضعیف و منکرہ سے اپنی کتاب
کو بھرا ہوا ہے جناب مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ
دار قطنی کی کتاب موضوعات و منکرات و غرائب سنن سے مزین ہے ناظر صاحب اب آپ غور
فرماویں جو شخص اپنے گھر میں یہ عزت رکھتا ہو وہ خصم کے نزدیک کیسے قابل وثوق ہو سکتا ہے اب
رہے خود بدولت حضرت جولا ہے صاحب یہ عجب مزاج کے انسان معلوم ہوتے ہیں امام مفترض الطاعۃ
تو اہل کوفہ کو حکم دیں کہ ہماری مجلس میں نہ آؤ مگر یہ صاحب باوصف ممانعت وہیں ڈٹ کر بیٹھ جائیں
اور آپ کی ممانعت کی پروا نہ کریں آپ کا بیان عجیب لڑ بھڑا ہے خوب تانا بانا بنایا ہے جس
کی ہر تار اونٹے لگانے ٹوٹی جاتی ہے ۔ اتحاد و موالات جناب امیر و شیخین کے ثبوت میں حضرت
امام محمد باقر علیہ السلام کو سوائے عقد ام کلثوم کے اور کوئی مضمون ہی نہ سوجھا تعجب تو اس امر کا
ہے کہ ابو حنیفہ دو شخصوں کی نسبت امام کا ارشاد دریافت فرمائیں اور آنحضرت عمر کے بارہ
میں ایک طولانی گفتگو کریں اور ابوبکر کی نسبت لب تک نہ ہلائیں بلکہ اشارۃً تک بھی نہ کریں عمر کی
فضیلت ابوبکر کے حق میں کیا فائدہ دے سکتی ہے آپ کا طرز بیان قابل غور ہے جناب امام
نے محض اتنا ہی فرمایا تھا (آیا تو میدانی کہ حضرت علی ابن ابی طالب اسے آخرہ) اس کو استفہام
کہتے ہیں یعنے امام نے فرمایا کہ تو نہیں جانتا یعنے حقیقتاً جانتا ہے پس تعجب ہے کہ ایسے جاننے
والے کے روبرو امام نے ام کلثوم کا ایسا پتہ دیا کہ کوئی حالت منتظرہ نہ رہی فلاں کی دختر
اسکی نواسی اسکی پوتی اسکی بھانجی اسکی بھتیجی اسکی بہن وغیرہ وغیرہ یہ طرز بیان بالکل
بناوٹی اور من گھڑت معلوم ہوتا ہے ہر ہر بات سے بوئے موضوعیت آرہی ہے خرباف
صاحب نے جو فرمایا ہے (کہ اگر علی المرتضیٰ عمر بن خطاب را مستحق تزویج نمیدانست زنہار
دختر خود را بہ نکاح عمر نے سپرد) فی الواقع یہ بہت سچا کلام ہے اور مابین سنیاں و شیعیان اہل
باایماں یہی امر نزاعی ہے کہ آیا جناب امیر علیہ السلام اور عمر میں ایسا اتحاد تھا کہ جس سے
علی کے نزدیک عمر مستحق رشتہ و تناسب بہ خاندان رسالت تھا بحمد اللہ یہ امر پایۂ ثبوت
کو پہنچ گیا ہے کہ آپس میں سخت عداوت تھی اور عمر بہ اعتبار نسب کبھی یہ قابلیت نہ رکھتے

تھے کہ کسی حقیر گھرانے میں بھی ان کا رشتہ ہو سکے۔ چہ جائیکہ خاندان نبوت چنانچہ آپکا نسب نامہ
صفحہ ۳۸ مصباح الہدایت کے جلد دوم میں لکھ چکا ہوں۔ ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں اب رہا
اتحاد اسکی یہ حالت ہے کہ حسب اخراج بخاری و مسلم خود حضرت عمر تسلیم کر چکے ہیں کہ
جناب امیر علیہ السلام ابوبکر و عمر کو غادر خائن کاذب جانتے تھے پھر یہ کب ممکن ہے کہ حضرت
امام محمدؐ برخلاف اپنے جد کے ایسا فرمائیں سب سے زیادہ مجھے اس امر کا تعجب ہے کہ ابوحنیفہ
نے امام علیہ السلام سے شیخین کی نسبت کیوں دریافت کیا حالانکہ خود ابوحنیفہ شیخین کو اچھا
نہ جانتے تھے بلکہ ایمان ابوبکر کو مثل ایمان ابلیس بتلاتے تھے اور اقوال عمر کو قول شیطان کہتے
تھے چنانچہ تاریخ بغداد مولفہ خطیب بغدادی میں درج ہے (ان ایمان ابوبکر الصدیق
و ایمان ابلیس واحد) جامع الصغیر میں لکھا ہے (عن عبد الصمد عن ابیہ قال ذکر
لابی حنیفہ قول قالہ عمر فقال قول الشیطان) العجب کل العجب آپ تو ایمان و اقوال
شیخین کو ایمان ابلیس و قول ابلیس کہیں اور امام علیہ السلام سے کوفیونکے نام سفارشی
خط لکھوائیں اب اس راوی کی وہ عزت دکھاتا ہوں جو انہیں علمائے جلیل القدر اہلسنت
کے یہاں حاصل ہے امام غزالی اپنی کتاب منخول میں رقمطراز ہیں کہ ابوحنیفہ نے اسلام میں
وہ فساد پھیلایا کہ شریعت محمدیہ کو تماشہ اطفال بنادیا امام موصوف فرماتے ہیں کہ اگر دین اسلام
کے دس حصے فرض کئے جاویں تو نو حصوں کو ابوحنیفہ نے بالکل تباہ کر دیا اور دسویں حصہ کو
بلا غارت نہیں چھوڑا ہمارے زمانہ کے محقق کامل شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں کہ
ابوحنیفہ نے رومیوں کے قانون سے بہت کچھ مدد لی ہے۔ جس سے بہ آسانی قول امام غزالی
کی تائید ہوتی ہے کجا دین محمدی اور کہاں قوانین روم چنانچہ میں آپ کے چند مسائل ناظرین
کو دکھاتا ہوں جنکے ملاحظہ سے ظاہر ہو جائیگا کہ یہ بزرگوار کس حیثیت اور مرتبہ کے شخص ہیں
اور شریعت محمدیہ کو انکی ذات منورہ سے کیا عزت و وقعت حاصل ہوئی ہے کتاب ہدایہ
کے باب الحدود میں لکھا ہے (ومن تزوج امرأۃً لا یحل نکاحہا فوطیہا لا یجب علیہ الحد عند ابو
حنیفہ) یعنے اگر کسی ایسی عورت سے عقد کیا جاوے جس سے عقد حلال نہ ہو مثلاً ماں بہن
پھوپھی خالہ وغیرہ اور پھر اس کے ساتھ صحبت کی جاوے تو امام صاحب کے نزدیک ایسے
شخص پر حد شرعی قائم نہیں ہو سکتی ترجمہ کنز الدقایق معروف بہ تحفۃ النعیم مطبوعہ نولکشور
کے صفحہ ۱۷۵ سطر ۱۰ پر لکھا ہے کہ اگر اپنی محرم عورت سے نکاح کیا اور صحبت کی یا غیر عورت

سے مقام معین کے سوا اور جگہ سے کام لگالیا کر ... کے ساتھ خلاف فطرت عمل کیا یا کسی حیوان کے ساتھ کام روائی کی یا دارالحرب میں زنا کیا تو ... نہ آئیگی کیا اچھا مذہب ہے کہ ہر قسم کے منہیات کئے جاؤ اور سزا ... رد فتاوے قاضی ... مطبوعہ مصطفائی پریس کے صفحہ ۲۰۷ پر درج ہے (لو تزوج بذات محرم البنت ... خت والدۃ والعمتہ والخالتہ وجامعہا لاحد فی قول ابوحنیفہ) شرح وقایہ اردو مطبوعہ پریس احمدی کانپور کے صفحہ ۳۳۳ سطر ۱ کو دیکھنا چاہیئے یہی مضمون لکھا ہوا ہے کہ محرمات ... شرعیہ کے زیر ران کرنے سے کوئی جرم قابل سزا پیدا نہیں ہوتا بحرالرائق شرح کنزالدقایق میں لکھا ہے (

یعنے مقام مخصوص پر کپڑا لپیٹ کر جماع کرنا حرام نہیں عینی شرح ہدایہ کی جلد دوم صفحہ ۸۷۶ پر لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کنیز یا غلام سے خلاف عادت دخول کرے تو اس پر کوئی سزائے شرعی نہیں فتاوے عالمگیری مطبوعہ دہلی جلد پنجم صفحہ ۵۲ افتاوے سراجیہ جلد چہارم صفحہ ۷۰۳ پر لکھا ہے کہ اگر نو پیالے تک شراب کو ... شخص پیا پے نوش کرے اور اسے نشہ نہو تو وہ شخص کسی سزائے شرعیہ کا سزاوار نہیں آپ کے نزدیک نماز جو افضل عبادت ہے عجیب عزت و احترام رکھتی ہے۔ جسکا مفصل ذکر جلد اول مصباح الہدایت میں آچکا ہے ملاحظہ فرمالیں اسی لئے آپ بجرم تغیر شریعت سزائے بید وجیل پاچکے ہیں سیرۃ النعمان مولفہ شبلی نعمانی کے صفحہ ۷۰۵ پر لکھا ہے۔ کہ حاکم کوفہ کے حکم سے آپ کو روزانہ دس بید لگائے جاتے تاریخ بغداد جامع المسانیہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۴۶ھ میں ابوحنیفہ قید ہوا اور جیل ہی میں سڑکر مرگیا خطیب بغدادی نے ابوحنیفہ کو دجال لکھا ہے۔ اور حضرت پیر دستگیر نے مرجی یعنے راندہ درگاہ الٰہی بتلایا ہے سوائے ان تمام صفات بالا کے آپ پکے دشمن اہلبیت تھے چنانچہ عبقات الانوار کے صفحہ ۸۲ ۷ اور استقصاء الافحام کے صفحہ ۳۲۷ پر بحوالہ قاضی القضاۃ ابوالموید محمد بن محمود خوارزمی لکھا ہے کہ ابوجعفر خلیفہ عباسی کے کہنے سے چالیس سوالات مشکلہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھے تاکہ بزعم باطل ابوحنیفہ امام علیہ السلام عاجز ہوکر لوگوں کی نظروں میں گرجائیں اس نے ذرا نہ سوچا کہ اولاد رسول منبع علوم و پیشوائے خلایق ہیں ان کے روبرو مکابرہ و مجادلہ حرام ہے۔ بھلا وہاں کیا دیر تھی ہر ایک کا جواب ایسا مسکت ملا کہ سوائے ندامت کوئی چارہ نہ رہا تمام واقعات صدر پر نظر فرماکر انصاف فرمایئے کہ جو شخص باوصف ممانعت امام انکی مجلس میں درانہ چلا جائے

اور پھر امام معصوم سے ایسی من گھڑت روایت بیان کرے جسکے ہر لفظ سے بوئے
بناوٹ آرہی ہو جسکو امام غزالی جیسا جید عالم برہم کنندہ شریعت سمجھے جس نے
ماں بہن کے ساتھ وطی کرنے والے کو حد شرعی سے بچایا ہو جو کہ سرحی یعنے نا
مسلمان بقول حضرت پیران پیر ہو جسکو بجرم اجرائے مسائل بیہودہ سلاطین
کی جانب سے سزائے تازیانہ و جیل ملی ہو جس نے نماز جیسی افضل عبادت کو
کتے کی کھال پہنکر اور شراب سے وضو کرکے پڑھا ہو جس نے بخوشامد سلاطین
صادق آل محمدؐ سے بغرض توہین و تذلیل مناظرہ و مجادلہ کیا ہو اور جو دشمن
علی و اولاد علی ہو اسکی روایت اس واقعہ میں کیا اثر دے سکتی ہے۔ راوی ششم
ابو صالح ہے جسکی روایت کو ازالۃ الغین کے صفحہ ۴ ۹ پر حیدر علی فیض آبادی
یوں حوالہ قلم کرتا ہے۔ کہ حضرت امیر سے عمر نے درخواست کی کہ اپنی بیٹی ام کلثوم
کا مجھسے عقد کردو کیونکہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ کل حسب و نسب قیامت
میں منقطع ہو جاویں گے مگر میرا ذریعہ حسب و نسب قطع نہ ہوگا چاہتا ہوں کہ سلسلہ
آل رسول میں داخل ہو کر شرف آخرت حاصل کروں یہ راوی بھی اپنے بھائیوں
سے کچھ بہت راست باز نہیں دکھائی دیتا علامہ ذہبی میزان الاعتدال کے صفحہ
۱۲۲ میں اس کو کاذب فی الحدیث کہتے ہیں امام نسائی ثقہ و معتمد نہیں جانتے بلکہ
یحیی بن ابو بکر کو اس سے اچھا کہتے ہیں ابن مدینی کسی درجہ میں اسکو شمار نہیں کرتے
اس حیثیت کا راوی ہمارے مقابلہ میں کیا وقار رکھتا ہے ساتواں راوی لیث
بن سعد ہے جسکی روایت ازالۃ الغین کے صفحہ ۲ ۴ ۹ پر بحوالہ دار قطنی ہم مضمون
ابو صالح حیدر علی نے لکھی ہے اسکی یہ وقعت ہے۔ کہ امام نووی نے شرح مسلم
میں اسے مجہول لکھا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ رواۃ مسلم سے چودہ آدمی مجہول ہیں
ہیں ازاں جملہ یہ بزرگوار بھی ہیں پس ایسے شخص کا بیان جو اپنے گھر مجہول مانا گیا ہو
ہمارے مقابلہ میں کوئی عزت و وقعت نہیں رکھتا آٹھواں راوی عاصم بن عمر
ہے جسکی روایت کو مثل راوی ششم و ہفتم ازالۃ الغین کے صفحہ ۳ ۴ ۹ پر حیدر علی
نے لکھا ہے انکو ابن معین ضعیف القول کہتا ہے بلکہ یہاں تک نوبت ہے
کہ ہر وہ شخص جسکا نام عاصم ہو ضعیف کہا ہے چنانچہ کہتے ہیں کل عاصم

فی الدنیا ضعیف) محمد طاہر گجراتی نے کتاب الضعفاء میں ان کا نام لکھا ہے۔
میزان الاعتدال کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ شریک بن عبداللہ سنان نخعی کوفی کو یحیی ابن سعید
نے ضعیف القول لکھا ہے ابن معین کہتے ہیں کہ اسکا دادا سنان قاتل جناب امام
حسین علیہ السلام ہے نیز ابن مبارک وجوزجانی نے اسے نامعتبر کہا ہے جو راوی
سوائے ضعف و بی اعتباری قاتل حسینؑ کا پوتا ہو وہ توہین اہلبیت کی روایت
بیان کرنے میں کہانتک زور طبیعت دکھا سکتا ہے۔ راوی دوم زہری ہے
جسکی روایت کو تاریخ خمیس جلد دوم کے صفحہ ۲۸۴ پر یوں لکھا ہے کہ پہلے ام کلثوم
کا عقد عمر سے ہوا اور بعد ازاں عون سے۔ اس راوی کی کیفیت سنئے کہ یہ سخت
دشمنان جناب امیر علیہ السلام سے تھا تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ سب سے
پہلے آنحضرتؐ پر جناب امیر علیہ السلام ایمان لائے مگر یہ راوی بجوش عداوت
مرتضویہ جمہور اسلام کی مخالفت فرماکر کہتے ہیں کہ نہیں اوّل ایمان لانے والا زید
بن حارثہ ہے عبدالرزاق لا یہی کہتے ہیں کہ سوائے زہری کے زید کی سابق الایمان
ہونیکا اور کوئی راوی نہیں امام ذہبی اس کو مدلس کہتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کتاب اسماء الرجال کے صفحہ ۷۶ پر لکھتے ہیں کہ یہ شخص خلفائے بنی امیہ کی صحبت
میں رہتا تھا اور ان کی خوشامد میں ان کے حسب الخواہش
کام کرتا تھا۔ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں اسے مخالفین جناب
امیرؑ سے بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حضرت مرتضویہ کی شان میں بے ادبی کرتا تھا پس جو
شخص ایسی صفات رذیلہ کا متصف ہو اور جناب امیرؑ کی شان میں ناسزا بکتا ہو اس
کی روایت ایسے واقعہ میں کہاں تک قابل تسلیم ہوسکتی ہے یہ ہیں تمام رواۃ اہلسنت
جنکے اعتبار پر اسقدر طوفان بدتمیزی سنیاں معاویہ شاہی نے برپا کیا ہوا ہے یہانتک
کہ مسٹر منظر صاحب نے بھی باوجود دعوے سیادت روح بنی امیہ کو خوش کرنے میں
بہت کچھ زور طبیعت دکھایا ہے۔ اور ذرا پرواہ نہیں کی کہ جسکے ہم نام لیوا ہیں اسکی
توہین و تذلیل میں کہانتک سعی و کوشش کی گئی ہے یہانتک کہ ناموس رسالت بھی
ان بے جا حملوں سے محفوظ مصؤن نہیں رہ سکا ÷

فصل

کیا حضرت عمر کو ایسے عقد سے ایمانی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور وہ الزامات جو روایات مذکورہ سے عمر پر عاید ہوتے ہیں انکا ارتکاب قبل از عقد ہوا یا بعد

اِن تمام روایات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوا کہ حضرت علی نے برضامندی وخوشدلی وخواہش طبیعت یہ عقد کیا ہو جتقدر روایات کا ذکر کر چکا ہوں سب سے جبر و تعدی عمر و نارضامندی علی بلحاظ وہم و اندیشہ ثابت ہو رہی ہے چنانچہ تذکرہ سبط ابن جوزی کے باب یازدہم میں لکھا ہے کہ دربارہ عقد عمر کا اصرار اور علی کا انکار جب حد سے متجاوز ہوا تو عمر نے عباس کو کہلا بھیجا کہ اگر آپ سیدھی طرح میرا رشتہ کردیں تو بہتر ورنہ ایسے پچھتاؤ گے کہ تمام عمر کف افسوس ملنے سے بھی وہ مطلب ہاتھ نہ آویگا اور وہ یہ ہے کہ عہدہ سقایت حرم جو تمہارے پاس ہے اور جسکی وجہ تم ممتاز عالم ہو چھین لونگا تب حضرت عباس نے مضطر ہو کر علیؑ سے کہا کہ اب نکاح کر دینا مناسب ہے کیونکر مجھے عمر کی طرف سے ایک خبر متضمن بہ تہدید پہنچی ہے اگر کہیں خدانخواستہ عمر نے غصہ میں آکر ہم سے یہ خدمت چھین لی تو ہم کہیں کے نہ رہینگے حضرت امیر اس ہولناک و مضرت رساں خبر کے سننے سے بھی متاثر نہ ہوئے۔ مگر حضرت عباس نے عمر کی دھمکی سے ڈر کر نکاح کر دیا کیا اس عنوان کا عقد یہ اثر رکھتا ہے کہ منظر صاحب دعوے کریں کہ عمر و علی کا آپس میں اتحاد و اتفاق تھا کیا اسی بنا پر عمر کو ہم سچا خلیفہ رسول تسلیم کر کے اپنا پیشوا اور ہادی قبول کرلیں علاوہ برایں شاید مسٹر منظر صاحب یہ کہدیں کہ روایات میں چادر کا کھینچنا اور ساق پا کا برہنہ کر کے ہاتھ پھیرنا اور بوسہ لینا وغیرہ جو مذکور رہے یہ حرکات بعد از وقوع عقد ہوئیں۔ جن کا جواز شرعاً و عرفاً ہر طرح سے ہو سکتا ہے لہذا امر مجبوری ہے کہ اتمام“

لجت ان امورات کا ثبوت دوں کہ جن حرکات شنیعہ کا حضرت عمرؓ سے واقع ہونا لکھا ہے یہ سب کی سب قبل از عقد واقع ہوئیں تاکہ مسٹر مظہر صاحب کی رگ ہاشمیت بھولے سے حرکت میں آئے اور وہ سوچیں کہ ان روایات میں رواۃ نے بجز تذلیل و توہین اہل بیت اور کوئی ارادہ و قصد نہیں کیا۔

ثبوت اول ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ کا فارسی ترجمہ جو ہے اس کے صفحہ ۱۰۶ پر لکھا ہے کہ علیؑ نے ام کلثوم کو عمر کے پاس اس لئے بھیجا کہ بحد شہوت نرسیدہ بود کہ حرام باشد اگر صغیرہ نمے بود پدرش علی او را بدیں طریق نے فرستاد +

ثبوت دوم خود مولوی حیدر علی کفش دوز ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۶ پر طولانی مضمون لکھتے ہیں جسکا ماحصل یہ ہے۔

ابن مقیاسی نے سفیان کو خبر دی کہ جب عمر نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم اپنی لڑکی ام کلثوم کا عقد مجھ سے کر دو تو علی نے جواباً کہلا بھیجا کہ وہ کم سن قابل عقد نہیں اسی جواب پر بعض لوگوں نے عمر کو جوش دلایا کہ علیؑ بعذر باطل ان کی درخواست کو مسترد کر رہا ہے۔ عمر نے پھر اصرار کیا کہ نہیں ضرور میرا عقد کر دو تب علیؑ نے کہا میں اسے تمہارے پاس روانہ کئے دیتا ہوں اگر تم رضامند ہو تو وہ تیری زوجہ ہے جب ام کلثوم عمر کے پاس آئی تو اس نے ساق پا کھولا ام کلثوم نے کہا کہ اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو ایک طمانچہ مار کے تیری آنکھیں پھوڑ دیتی +

ثبوت سوم صواعق محرقہ میں لکھا ہے جسکا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں یعنے حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عمر نے علی سے عقد ام کلثوم کی خواہش کی تو حضرت امیر نے یہ عذر کیا کہ وہ کم سن ہے۔ اور میں نے اسکی نسبت اپنے برادر زادہ جعفر کے بیٹے سے کی ہے۔ عمر نے کہا کہ میری یہ درخواست اس راہ سے نہیں جو مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے بلکہ یہ التماس محض اس غرض سے ہے کہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے۔ کہ بروز قیامت تمام حسب و نسب قطع ہو نگے اور میرا نسب منقطع نہ ہوگا چاہتا ہوں کہ یہ رشتہ میری آمرزش کا سبب ہو +

ثبوت چہارم۔ ذخایر العقبےٰ میں یہ عبارت مندرج ہے۔ (فاقبل علیؑ

وقال انها صغیرۃ فقال عمر لا واللہ ما ذاک بک ولکن اردت منعنی) یعنے عمر نے
جب خواہش ظاہر کی تو علیؑ نے عذر کم سنی کیا عمر نے کہا یہ بالکل غلط ہے آپ
مجھے رشتہ کرنا نہیں چاہتے بحیلہ صغر سنی ٹالنا چاہتے ہیں +

ثبوت پنجم عسقلانی شارح بخاری لکھتے ہیں (ان علیا لما ابی عن نکاح
ابنتہ بعمر واستعذر بصغرھا المبکر، یقبل منہ ذالک لعلہ حتی الجاء ان یراھا
ایاہ فارسلھا الیہ فلما رآھا عمر اخذ ساعدھا فضمھا الیہ وقبلھا) یعنے جب علیؑ نے بعذر کم سنی عقد کر دینے
سے انکار کیا تو عمر نے یقین نہ کیا اور علی کو مضطر کیا کہ اچھا تم مجھے دکھا دو تاکہ میں اپنے
دیکھکر سمجھ لوں کہ آپ کا عذر کہاں تک صحیح ہے علیؑ نے اپنی لڑکی کو عمر کے پاس
بھیجدیا انہوں نے اسکو چھاتی سے لگایا اور بوسہ لیئے +

ثبوت ششم ابن عبد اللہ البر نے استیعاب میں لکھا ہے (خطبھا عمر الی علی
فقال انھا صغیرۃ الی ان قال فوضع یدہ علی ساقھا فکشفہ فقالت ما تفعل ھذا لولا انک
امیر المومنین لکسرت انفک ثم خرجت) یعنے ام کلثوم کی عمر نے خواستگاری کی
تو علیؑ نے کہا کہ وہ صغیرہ ہے یہانتک کہ جب علیؑ نے اس کو عمر کے پاس بھیجدیا تو
اس نے ساق کھولی ام کلثوم نے غصہ کیا کہ اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری
ناک توڑ ڈالتی یہ کہکر اپنے گھر کو چلی گئی +

ثبوت ہفتم کتاب تذکرہ بالامیر بروایت دیگر اسطرح لکھا ہوا ہے (ان
عمر ابن الخطاب خطب الی علی بنتہ ام کلثوم فذکر لہ صغرھا فقیل انہ ردک فعاودہ فقال الی ان قال فارسلھا فکشف
عن ساقھا فقالت لہ لولا انک امیر المومنین لطمت عینک) جب ام کلثوم کی خواستگاری عمر نے
علیؑ سے کی آپ نے کہا وہ صغیرہ ہے لوگوں نے عمر سے کہا کہ علیؑ نے تمکو ٹالدیا
انہوں نے اصرار کیا تو مجبوراً علیؑ نے لڑکی کو بھیجا عمر نے کشف ساق کیا یہ حرکت
دیکھکر اس لڑکی نے کہا کہ اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو تیرے منہ پر ایسا تھپڑ رسید
کرتی کہ دونوں آنکھیں پھوٹ جاتیں +

ثبوت ہشتم کتاب مودۃ القربیٰ میں لکھا ہے جسکا خلاصہ ترجمہ لکھے
دیتا ہوں کہ عمر نے علیؑ سے خواستگاری کی تب علیؑ نے عذر صغر سنی کیا یہانتک
کہا کہ وہ چار سالہ یا پانچ اور چار کے درمیان ہے اور عمر کا سن اسوقت ساٹھ

برس کا تھا پس جبکہ وہ صاحبزادی خلیفہ کے پاس گئی تو عمر نے اسے پہلو میں بٹھایا اور اس کی چادر کو اٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیرا اور ساق پاکھولا یہ حرکات دیکھ کر لڑکی نے طمانچہ مارنیکو ہاتھ اٹھایا اور کہا اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری ناک توڑ ڈالتی +

ثبوت نہم سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الائمہ کے گیارھویں باب میں لکھا ہے کہ عمر نے اپنے عہد حکومت میں علی سے خواہش کی کہ اسے اپنی بیٹی ام کلثوم دیدے۔ علی نے انکار کیا اور کہا کہ وہ صغیرہ ہے اور میں اس کی شادی اپنے برادر زادہ سے کروں گا خلیفہ کو علی کا یہ کہنا نہایت شاق گذرا اسوقت عباس نے سمجھایا کہ آپ عذر نہ کریں نکاح کر دیں مجھکو کچھ ایسی ہی خبر ملی ہے۔ تنبیہ یہ وہی خبر ہے جسکا ذکر پہلے آچکا ہے کہ عمر نے سقایت حرم کی ضبطی کا دباؤ ڈالا تھا +

ثبوت دہم ذخائر العقبےٰ میں جب مضامین بالا درج ہے بلکہ اتنا اضافہ ہے کہ بوقت اضطراب علی نے عقیل سے مشورہ لیا انہوں نے سختی سے جواب دیا اور عقد کرنیسے مانع ہوئے صواعق محرقہ میں امام حسین علیہ السلام سے مشورہ لینا اور ان کا مثل عقیل مخالفت کرنا لکھا ہوا ہے مسٹر مظہر صاحب اب بھی ان دلائل قویہ کے ہوتے ہوئے آپ کسطرح عمر کو بری الذمہ کرنے کے لئے ام کلثوم کو بالغہ و راشدہ کہینگے اور کسطرح ارشاد فرمادیں گے کہ علی و عمر میں اتحاد و اتفاق تھا اور اس جبریہ عقد کو عمر کی ایمانداری کی اور اتحاد باہمی کی دلیل قرار دیں گے واللہ ثم باللہ مجھی ان روایات کے دیکھنے سے اتنا غصہ آرہا ہے کہ انکے لکھتے ہوئے میرا ہاتھ کانپ رہا ہے میری قلم کو رعشہ ہے اور سخت تعجب ہے کہ آیا اسلام اسی کو کہتے ہیں اور مودۃ ذوی القربےٰ اسی کا نام ہے حقیقتاً جب ہماری یہ حالت ہے کہ غیرت کے مارے ہوش و حواس درست نہیں تو سادات صحیح النسب جتنا رنج کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالیں اتنا ہی کم ہے یہ تو میں ڈنکے کی چوٹ کہونگا کہ جس میں ذرہ برابر خون رسالت و امامت ہوگا وہ اس واقعہ کو سنکر از خود رفتہ ہو جاویگا جب احادیث نبوی سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ علوی را علویک گفتن۔ آزار رسول است تو نہ معلوم ناموس رسالت

پر اسطرح حملہ کرنیوالا کس امر کا مستحق ہوگا غرض کہانتک لکھوں اس عقد کے
معاملہ میں علمائے معاویہ شاہی نے ایسی بیہودہ باتیں لکھی ہیں کہ جنکے دیکھنے
اور سننے سے اقتدار سنیت بالکل نگہ سے گرجاتا ہے چنانچہ اکثر روایات کا
اختلاف ظاہر کرچکا ہوں مدعا یہ ہے کہ دشمنان خاندان رسالت و نبوت نے
کسی طرح کی تذلیل و توہین سے دریغ نہ کیا جسے اہل بیت طہارت سے
چسپاں نہ کیا ہو ذرا خدارا ابونشر کی روایت کو دیکھو اور سوچو کہ خاندان رسالت
کو دشمنان دین مبین نے کیا سمجھا ہوا ہے اور ان کی کیسی عزت و وقار کرتے
ہیں ابونشر دولابی ابن اسحٰق سے راوی ہے کہ جب ام کلثوم بعد وفات عمر بیوہ
ہوئیں تو حسنین علیہم السلام نے کہا کہ اگر تمنے علی کو اپنا مختار کیا تو وہ تمہیں کسی
اپنے عزیز سے بیاہ دیں گے اگر تم چاہو تو بہت کچھ مال و دولت حاصل ہوسکتا
ہے۔ مطلب یہ کہ تمہاری شادی کسی دولتمند سے ہوسکتی ہے اس گفتگو کے
بعد علی آگئے اور کہا اے بیٹی ہرچند کہ خدا نے تجکو اپنے کام کا مختار کیا ہے مگر
میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے عقد کا معاملہ میری رائے پر چھوڑ دو ام کلثوم نے
کہا کہ مجکو بھی ان چیزوں کی ہوس ہے جسکی عورات کو ہوا کرتی ہے میں چاہتی
ہوں کہ کسی مالدار سے شادی ہو تاکہ آسایش دنیا سے بہرہ مند ہوں علی نے
کہا کہ یہ تمہیں حسن و حسین نے سکھایا ہے واللہ میں کبھی ان دونوں سے ہمکلام
نہونگا تاوقتیکہ میرے کہنے پر عمل نہ کریں گے حسین نے جناب امیر کا دامن پکڑ لیا
اور ام کلثوم نے کہا کہ میں نے اپنا اختیار حضور کے ہاتھ دیا جسے چاہیں نکاح
دیں علی نے کہا کہ میں نے عون بن جعفر سے تمہارا عقد کرنا تجویز کیا ہے کچھ دنوں
کے بعد عون نے قضا کی تب ان کے بھائی محمد سے بیاہی گئیں محمد کے
مرنے پر عبداللہ بن جعفر سے عقد ہوا بالآخر وہیں اس نے وفات پائی ابن سعد
بھی انہیں الفاظ میں روایت کرتا ہے مگر اتنا زیادہ کرتا ہے کہ ام کلثوم نے کہا
مجھے اسماء بنت عمیس سے شرم آتی ہے کہ ان کے دو لڑکے عون و محمد میری
رفاقت میں تمام آئے اور اب تیسرے عبداللہ کی باری آئی آخر الامر انہوں نے
عبداللہ کے پاس وفات پائی یہی ابن سعد انس بن عیاض سے بطرز دیگر بھی

ناقل ہیں کہ جب عمر نے علی سے خواستگاری کی تو علی نے عذر کیا کہ اسکی نسبت
میرے بھتیجے سے قرار پا چکی ہے عمر نے کہا واں سے چھوڑا کر مجھے کر دیں کیونکہ
میں چاہتا ہوں کہ جو شرف و عزت آپ کے خاندان کو ہے اس میں شریک
ہو جاؤں یہ سنکر علی نے کہا اچھا میں نے کر دیا یہ خوشخبری سنکر عمر مہاجرین کے
پاس آیا اور کہا پہنچو مجھکو مبارک باد دو صحابہ نے کہا کیسی مبارک باد عمر نے
کہا کہ علی کی دختر سے میں نے عقد کیا اب بالاتفاق غلغلہ مبارکباد بلند ہوا
آوازیں سنکر عمر کہنے لگے کہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ سب حسب و نسب
منقطع ہو جاویگا الا میرا حسب و نسب و سبب انقطاع پذیر نہیں تعلق سببی و نسبی
تو مجھے پہلے سے حاصل تھا اب خدا نے شرف دامادی دیکر تمام فضائل کا
مجھپر خاتمہ کر دیا عطا خراسانی راوی ہے کہ عمر نے چالیس ہزار مہر ادا کیا اور لبند
صحیح وارد ہے کہ زید و ام کلثوم کے جنازہ پر ابن عمر نے نماز پڑھائی اور چار
تکبیریں کہیں دوسری سند سے سعید ابن عاص کا نماز جنازہ پڑھنا لکھا ہے
علمائے معاویہ شاہی نے جو اس قسم کی مضطر و پریشان باتیں اپنی کتب میں
درج کی ہیں ان سے سوائے اہانت اہل بیت دوسرا امر مقصود نہیں بھلا یہ
بات کیسے دل قبول کر سکتا ہے کہ حسین نے ام کلثوم سے یہ کہا ہو کہ بہنا اپنے
عقد کا اختیار اپنے ہاتھ رکھنا ورنہ والد تمہیں اپنے برادرزادہ کے عقد میں
دیدینگے اور ہم چاہتے ہیں کہ کسی دولتمند سے سازباز کرکے تمہارا عقد کریں تاکہ
دولت دنیا حاصل ہو اس پر ام کلثوم کا بشاش ہونا اور باپ کے سامنے پٹاپٹ
بولنا اور رد و بد و گفتگو کرنا اور بہ مقتضائے خواہش نسوانی ضرورت عقد کا اظہار
کرنا پھر بہت جھگڑے کے بعد علی کا متعلی عقد ہونا لاحول ولا قوۃ کوئی ذلت
وحقارت ایسی نہیں جیسے ان دشمنان خاندان نبوت نے
خاندان رسالت سے اٹھا رکھا ہو۔ حسین کا طامع دنیا ہونا اور باپ کے مخالف
چال چلنا لڑکی کا باپ کے سامنے بے حجابانہ گفتگو کرنا امراء سے ذی وقار سے بہ
طمع دنیا عقد کی کوشش کرنا یہ بناوٹ صرف اس لئے کی گئی تاکہ لوگ
سمجھ جاویں کہ خاندان رسالت کوئی خاص وقعت نہ رکھتا تھا بلکہ ایک معمولی

قسم کے لوگ تھے جنکا شمار عوام الناس میں ہو سکتا ہے۔ ناظر صاحب اب تو آپ کو
چھٹی ہوئی کسی دولتمند کی تلاش کرکے اتباع اجداد کیجیے اور اگر ارشاد عالی ہو اور
کچھ کمیشن دینے کا وعدہ فرمائیے تو میں آپ کے لیے سعی کوشش کروں تاکہ کسی دولتمند
سے آپ کا تعلق ہو جاوے۔ صحیح بخاری کی جلد ششم کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہوا ہے کہ جب
ایک مسلمان کسی جگہ اپنی نسبت کرچکا ہو تو دوسرے کو لازم نہیں کہ اسجگہ پیام و
سوال کرے صحیح مسلم کا جو اردو میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس کی جلد چہارم مطبوعہ مطبع
صدیقی لاہور کے صفحہ ۲۳۶ پر یہ عبارت ہے (عبداللہ بن عمر نے کہا کہ رسولخدا نے
فرمایا نہ فروخت کرے کوئی دوسرے کی بکی ہوئی چیز پر اور نہ پیغام دے کوئی دوسرے
کے پیغام پر فائدہ یہ لکھا ہے جب ایک نے کسی عورت سے پیغام نکاح دیا ہو
تو جب تک وہ عورت اس کے پیغام کو رد نہ کر دے تب تک دوسرا شخص پیغام
نہ دے اور یہ احادیث پیغام کے حرام ہونے پر دلالت واضح رکھتی ہیں سوائے
ازیں بخاری و مسلم و ابوداؤد میں لکھا ہے (عن ابی ہریرہ قال یخطب احد
کم علی خطبۃ اخیہ) ابوہریرہ کہتے ہیں کسی کو جائز نہیں کہ اس جگہ اپنی نسبت
کا پیغام دے جہاں دوسرا پیغام دے چکا ہو امام نووی اس حدیث کی شرح
میں لکھتے ہیں (ظاھرۃ فی تحریم الخطبۃ علے خطبۃ اخیہ و اجمعو
علے تحریمھا) خلاصہ یہ کہ ایسا پیغام دینا حرام ہے جبکہ بروایات متواترہ
مندرجہ بالا حضرت امیرؑ فرما چکے کہ میری دختر کم سن ہے اور اس کی نسبت میرے
برادر زادہ سے ہو چکی ہے۔ تو خلیفہ صاحب کو یہ کیا زیبا تھا کہ اپنی باڈھر کھچری
بھی اُسی چولھے پر چڑھانیکی کوشش فرماویں اور یہ ایں پیرانہ سالی کہ ساٹھ اکسٹھ برس
کے کھوسٹ ہو چکے ہیں ضدی بچوں کی طرح ہٹ کرنے لگے کہ پہلی نسبت چھوڑ کر مجھسے نسبت
کردو ورنہ میرے فضائل ناممکل رہے جاتے ہیں اگر عمر نے ایسا فعل کیا تو بروایت
بخاری و مسلم فعل حرام کا ارتکاب کیا یہ کوئی پہلا موقع نہیں کہ عمر خلاف احکام خدا
و رسولؐ عمل پیرا ہوئے ہیں یہ انکے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا کہ جو دل میں آیا خلاف
احکام خدا و رسول اپنا حکم جاری کر دیا متعتین جو بحکم خدا و رسول جاری
و ساری تھے آپنے اپنے حکم سے بند کر دیئے جسکی بحث رسالہ متعہ میں میرے

مکرم معظم دوست جناب مولانا مولوی احمد علیؑ صاحب ابوالعلفا نے بجواب حسن دین نہایت
دلائل کے کی ہے جس کے دیکھنے سے انشاءاللہ ایسا چاک واقع ہوگا کہ تمام تاریں اکھیڑ کر
پھینک دی جاوینگی کہ آئندہ پھر کسی ڈوری بانٹ سے رفو بھی نہ ہو سکیگا حضرت عمر وہ ہیں کہ
آپنے خلاف احکام خدا ورسول۔ حاملہ کے رجم کا حکم صادر فرمایا اگر حضرت امیرؑ نہ روکتے
تو بیچاری حاملہ معہ جنین آپ کے حکم سے سنگسار ہو چکی ہوتی چنانچہ اسی جلد کے آغاز
میں تمام بدعات کا مفصل ذکر کیا گیا ہے جنکا احداث خلافت پناہی نے کیا ہے اب اور
ملاحظہ کیجیے اور ان روایات کی صداقت کو پرکھیے کہ حضرت عون ابن جعفر جنگ تستر
میں شہید ہوتے ہیں اور بہاپنر راوی بعد عمر ان سے عقد کرا لیتے ہیں اور آخرالامر ان کو
زوجہ عبداللہ بن جعفر بنا کر ان کے گھر میں ان کا انتقال کرنا لکھتے ہیں یہ قصور کچھ
متقدمین ہی کا نہیں بلکہ متاخرین نے نتیجہ تحقیقات یہی نکالا ہے۔ چنانچہ حیدر علی کفش
دوز بھی بہ این ریش و فش ازالۃ الغین صفحہ ۲۸۹ پر رقمطراز ہیں (چوں محمد برادر
عون و امی اجل رالبیک گفت او را برادرش عبداللہ نکاح کرد ام کلثوم بخانہ وے
وفات یافت) باتفاق امت جناب زینب ام کلثوم سے بڑی تھیں اور حضرت عبداللہ
بن جعفر سے ان کا عقد ہوا تھا معرکہ کربلا میں اپنے بھائی کے ہمراہ موجود تھیں بعد واقعہ
شہادت جبکہ سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام دوبارہ بحکم بادشاہ
جبر گرفتار ہو کر شام روانہ کئے گئے اس وقت بھی یہ ہمراہ تھیں اور راستہ میں باغیان
ظالم کے ہاتھوں بیچ ظلم سے شہید ہوئیں چنانچہ اس وقت تک آپ کا مزار مبارک زیارتگاہ
خلایق ہے اب میں سال وفات حضرت عبداللہ آپ کو دکھاتا ہوں تاکہ حقیقت حال
آپ پر ظاہر ہو ذخائر العقبیٰ میں بہ صفحہ ۲۱۲ لکھا ہوا ہے (توفی عبد اللہ بن جعفر بالمدینہ
سنۃ ثمانین) یعنے عبداللہ مدینہ میں سنہ ۸۰ ہجری کے اندر وفات پائی دشمنان
اہل بیتؑ کا بیان ہے کہ ام کلثوم نے بعہد معاویہ معہ اپنے بیٹے زید کے وفات پائی
مولوی حیدر علی لکھتا ہے کہ انھوں نے اپنے اخیر شوہر عبداللہ کے گھر وفات پائی اب
آپ انصاف کریں کجا عہد معاویہ اور کہاں عبداللہ بن جعفر کا قصہ ایک عالم کچھ کہتا ہے
تو دوسرا کچھ لاتا ہے غرضکہ جیسے ستار کی طرح مختلف آوازیں نکلتی ہیں جن سے
سامع کا دماغ پریشان ہوتا ہے عبارات صدر میں کتاب ہدایۃ السعداء کے صفحہ ۵۹

پر لکھ چکا ہوں (ام کلثوم ماتت فی الصغر عند عمر ابن الخطاب لا عقب لہما) یعنی ام کلثوم نے بچپنے ہی میں عمر کے گھر انتقال کیا اور ان سے کوئی اولاد نہ رہی دوسرے علما لکھتے ہیں کہ انہوں نے معہ اپنے فرزند زید بعہد معاویہ قضا کی اور ان کا جنازہ عبد اللہ بن عمر یا سعد بن العاص نے پڑھا چند علما و معہ حیدر علی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ اول ام کلثوم کا عقد عمر سے پھر عون سے بعد ازاں محمدؐ سے پھر عبد اللہ بن جعفر شوہر زینب سلام اللہ علیہا سے ہوا آپ منظر صاحب خدارا بنظر غائر ملاحظہ فرمایئے کہ جب عمر کے پاس صغر سنی میں ام کلثوم لاولد فوت ہوئیں تو وہ کونسی ام کلثوم تھی جو بعہد معاویہ معہ اپنے فرزند زید کے مری اور اس سے ما بعد زمانہ تک جناب زینب حضرت عبد اللہ کی زوجیت میں رہیں پھر ام کلثوم کا عقد عبد اللہ سے کیونکر ہو سکتا تھا اگر روایات ماسبق کو آپ کی خاطر داشت سے غلط قرار دیکر فرض کر لیا جاوے کہ بعد وفات زینب سلام اللہ ام کلثوم نے عبد اللہ سے عقد کیا تو حسابی قاعدہ سے کسطرح صحیح و درست نہیں ہو سکتا کیونکہ جس جگہ اوراق اول میں ام کلثوم کی سنیت کی نسبت بحث کر چکا ہوں وہاں ان کا سال ولادت سنہ ۶ یا سنہ ہجری دکھایا گیا ہے اور جناب زینب کی وفات سنہ ۶۲ ہجری میں واقعہ کربلا کے دو سال بعد ہوئی ہے سنہ ہجری سے سنہ ۶۲ ہجری تک چھپن برس ہوتے ہیں اگر بعد وفات حضرت زینب ام کلثوم نے عبد اللہ سے عقد کیا تو اسوقت ان کا سن چھپن سال کا ہوتا ہے عبد اللہ بوقت معرکہ کربلا نابینا ہو گئے تھے اس لئے فیض ہمرکابی سید الشہدا علیہ السلام سے محروم رہے اور اپنے دونوں عین قربانی کے لئے حضرت کے ہمرکاب بھیجے عقل کسیطرح قبول نہیں کر سکتی کہ ایک ایسی عورت جس نے پہلے تین شوہر دیکھے ہوں اور بیوہ ہو چکی ہو ضعیفی کی عمر میں ایک پیر نابینا سے عقد کر کے رنگ رلیاں منائے لہٰذا میں کہہ سکتا ہوں کہ بوجہ صدور اختلافات تمام روایات ناقابل اعتبار ہیں یہ لوگ نہ خدا سے خوف کرتے ہیں نہ رسولؐ کی پروا رکھتے ہیں۔ نہ علیؑ نہ بتول سے شرم کرتے ہیں خاندان نبوی کی توہین و تذلیل کے لئے جو چاہتے ہیں کہ دیتے ہیں بھلا اس سے زیادہ کیا اتہام ہو سکتا ہے کہ دو بہنوں کا ایک شخص کو زمان واحد شوہر بتلاتے ہیں جو قطعاً حرام ہے شاید میں غلطی پر ہوں چونکہ مدار مذہب اہل سنت اجتہاد فاروقی پر ہے انہوں نے خلاف خدا و رسولؐ جمع بین الاختین کا حکم دیدیا ہو جیسا

کہ اکثر مسائل میں دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ مفصلاً بحث احداث بدعات میں لکھ آیا ہوں۔ خلیفہ صاحب چونکہ فی الواقع سعادت ولادت میں کچھ حصہ نہ رکھتے تھے۔ تو خاندان عالی میں نکاح کرنے سے ہی اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ ناکارہ محض تھے اور قابلیت اولاد حاصل کرنے کی بھی نہ رکھتے تھے۔ انکو کیا فائدہ مل سکتا ہے۔ داماد بہ اتفاق امت نسب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بعد وفات زوجہ اس کا کوئی علاقہ سسرال سے نہیں رہتا۔ رسالتمآب کا حسب و نسب انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے جو آل طیب میں داخل ہیں۔ حضرت عمر اپنے اس نسب سے فائدہ اٹھائینگے کہ جس الٹ پھیر سے رونق افزائے عالم ہوئے تھے۔ تاریخ کامل ابن اثیر جزری کی جلد دوم صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے۔ کہ بعد عقد ام کلثوم عمر نے تین عورتوں سے عقد کیا۔ اول ملیکہ دوم فاطمہ بنت الولید۔ سوم عاتکہ۔ مورخ مذکور لکھتا ہے۔ کہ آخر اولاد عمر زینب ہے۔ جو بطن ملیکہ سے تھی۔ ہرگاہ بہ اتفاق جمیع روات سنیان معاویہ شاہی جن کا ذکر بکرات و مرات اوپر آ چکا ہے۔ بوقت خطبہ ام کلثوم حضرت عمر اپنی اندرونی حالت بتلا چکے تھے۔ کہ ضعف باہ سے عورتوں کی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ صرف زاد عقبٰے حاصل کرنے کی نیت سے پانچسالہ لڑکی منظوبہ غیر کو داخل عقد کیا تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بڑے دھوکہ باز تھے سستی اور نامردی کا اظہار کر کے اہلبیت رسالت کو فریب دیا۔ اور اگر فی الواقع آپ بیکار محض تھے اور عورتوں کی طرف بالکل رغبت نہ رکھتے تھے۔ تو پھر یہ گدا گد تین نکاح کیوں کئے۔ اور زینب بطن ملیکہ سے کس طرح پیدا ہوئی۔ شاید منظور صاحب آپ یہ کہدیں۔ کہ ام کلثوم کے عقد کے وقت آپ فی الواقع نامرد تھے۔ مگر بعد میں کسی بہادر ڈاکٹر نے یا ہوشیار سنیاسی نے کشتہ سنکھیا کھلا کر آپ کو اس قابل بنا دیا۔ کہ متواتر تین عقد کئے۔ سبحان اللہ کیا کہنا۔ ع ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند۔ منظور صاحب! اب فرمایئے۔ انہیں روایات کی بنا پر آپ اس قدر نازاں ہیں۔ کہ سبحان اللہ جن کا ایک حرف بھی اس بات پر دلالت نہیں کرتا۔ کہ بہ رضامندی جناب امیر یہ عقد ہوا ہو بلکہ الٹا یہ ثابت ہو رہا ہے۔ کہ عمر نے جبراً سلطنت کا دباؤ ڈالکر حضرت عباس کو دھمکا کر مدعا حاصل کیا۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔

اور اب پھر بکرر کہتا ہوں۔ کہ یہ تمام روایات وضعی و ساختہ ہیں۔ بیچارے عمر نے
علیؑ پر اسبارہ میں جبر کیا۔ نہ پیغام دیا۔ نہ حضرت عباس کو دھمکایا۔ نہ
اُم کلثوم کو بلوایا۔ نہ اس غریب کے سر سے چادر اتاری نہ کشف ساق کیا۔ نہ
بوسہ لیا۔ نہ سینہ سے چمٹایا۔ خواہ مخواہ ایسا واقعہ کا ذبہ اس کے سر تھوپ
دیا۔ اگر اس واقعہ کی کچھ اصلیت ہوتی۔ تو ارباب صحاح خصوصاً مسلم و بخاری
زمین و آسمان ایک کر دیتے۔ اور اس خوش آہنگی سے بیان کرتے کہ حضرات
اہلسنت وجد میں آنگرا چھلنے لگتے۔ بقول اہلسنت بخاری و مسلم نے تنقیح و
تنقید احادیث میں وہ کوششیں کی ہیں۔ کہ زمین کے گز بنگئے ہیں اطراف
عالم میں گشت کرکے احادیث کا پتہ چلایا ہے۔ افسوس کہ ایسے محققین کو ان
روایات کا پتہ نہ چلا۔ جن روایات کو حیدر علی کفش دوز و محسن الملک سید معاویہ
شاہی و مظہر صاحب اور ان جیسے دشمنان خاندان رسالت نے ڈھونڈ نکالا۔
بعد ترتیب صحاح متاخرین کا یہ مضمون تراشنا عدم اندراج صحاح اس فرضی و
بناوٹی عقد کی بے اعتباری کا قوی سبب ہے۔ علاوہ بریں محسن الملک نے طنزاً
یہ فقرہ آیات بنیات میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر کافر یا منافق یا مرتد نہ تھے۔
ورنہ حضرت علی شیر خدا غالب علی کل غالب مطلوب کل طالب مظہر العجائب
والغرائب اپنی ایسی پیاری بیٹی کا نکاح انکے ساتھ نہ کرتے۔ اور اگر انکے ایمان
اور عبادات و پرہیزگاری میں انہیں اطمینان کامل نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی اپنا داماد
نہ بناتے۔ انہیں فقرات کو مسٹر مظہر صاحب نے بھی بڑی رنگ آمیزی سے
بغرض رنج دہی مومنین قران السعدین میں لکھا ہے۔ اگرچہ بمصداق جواب ....
باشد خموشی۔ جواب دینے کی ضرورت نہ تھی۔ ان کی معہ انکے پیر و مرشد محسن الملک
و حیدر علی کفش دوز کی اچھی طرح خدمت گذاری کی گئی ہے۔ مگر یہاں بھی مختصراً
کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔ بھلا یہ امر کہاں سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ باہمی
اتحاد و محبت سے یہ عقد واقع ہوا۔ تمام روایات اس امر کی شاہد ہیں کہ جبر و تعدی
سے یہ امر واقع ہوا۔ غالب من کل غالب وغیرہ اعتقاداً نہیں لکھے۔ بلکہ شیعوں
کی استہزا کرکے یہ فقرات لکھے گئے ہیں۔ اور معتقدات شیعہ کی ہنسی مذاق

اڑایا گیا ہے۔ خاک بدہان محسن الملک یہ کوئی نئی بات نہیں۔ خاصانِ خدا ہمیشہ مبتلائے
بلیات و آفات رہے ہیں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام جنہیں شجرۃ الانبیا کہا جاتا ہے
بوجہ مرتبہ نبوت نبی بھی کیسے اولوالعزم۔ ان کی بیوی حضرت سارہ کو ایک ظالم اور
سفاک بادشاہ نے جبراً چھین لیا۔ اور معاذ اللہ اس محترمہ سے قصد ناجائز کیا۔ مگر
قدرت قادر قدیر سے شل ہو گئے تو ارتکاب پر قادر نہ ہو سکا۔ اس سے نہ جناب حضرت
ابراہیم کی نبوت میں کوئی فرق آیا۔ نہ اُنکے غالب من کل غالب ہونے پر کوئی
دھبہ آیا۔ نہ اُس معصومہ کی عصمت پہ حرف آیا۔ البتہ اس جابر ظالم بادشاہ پر
الزام شدید قایم ہو گیا ہے۔ علٰے ہذا اگر حضرت ختمی مرتبت کفار قریش کے ہاتھوں
غار میں تین روز مختفی رہ کر مدینہ کی طرف نہضت فرما ہوئے۔ تو کیا آپ کے غالب
من کل غالب ہونے پر کوئی حرف آگیا۔ بلکہ حضرت عمر پر مثل اس بداندیش بادشاہ
کے جرم قایم ہو گیا۔

اب رہا جناب امیر علیہ السلام کا غالب علےٰ کل غالب ہونا وہ مختصراً عرض
کرتا ہوں۔ اوّل جنگ بدر کو لیجئے۔ جہاں آپکے یہ حضرات خلفاء مارنوں کی پچھاڑی اور
بھاگتوں کی اگاڑی تھے۔ اور یہی پہلا موقعہ تھا۔ جہاں فدایان اسلام کو اپنے جوہر
ایمانی کے دکھلانے کا زریں موقعہ تھا۔ قریش کے تمام غالبوں کے ناک جناب امیرؑ
نے خاک میں رگڑ دیے۔ جن میں آپکے خلیفہ اول کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اور حضرت
عمر کے بھائی فراز بن الخطاب اور ابوجہل عمر کے ماموں بھی تھے۔ حضرت علیؑ کے
ہاتھوں مغلوب ہوئے اور کچھ دم دبا کر واپس مکہ ہوئے۔

پھر جنگ اُحد لیجئے۔ جہاں آپ کے نامی اور شجاع خلفاء ایسے مغلوب
ہوئے۔ کہ کوئی ان میں سے بز کوہی کی طرح پہاڑوں پر اُچکتا پھرا۔ اور کسی کا
تین یوم متواتر پتہ نہ ملا۔ اور کسی نے بآواز بلند پکارا کہ محمدؐ مقتول ہوا۔ اب
فرار ہو کر جان بچانی چاہئے۔ پھر غزوۂ خندق کو دیکھئے۔ جہاں پر یہ حضرات
ابن عبدود کے ڈر کے مارے گوشہ عافیت سنبھالے ہوئے تھے۔ مگر اُسی غالب
علےٰ کل غالب نے قریش کے سب سے غالب کافر کو قتل کر کے انہیں باتیں بنانے
کا موقعہ دیا۔ اس طرح غزوہ خیبر کو دیکھئے۔ جس میں متواتر شکستیں کھا کر باعث

رنجبرہی حضرت رسالت پناہی ہوئے ۔ مگر پھر اسی غالب علے کل غالب نے غالب بیودکو مار کر دکہلا دیا ۔ کہ غالب من کل غالب اسی کا وجود دیکھ دہے ۔

غزوہ خندق کا ایک واقعہ مجھے یاد آگیا ۔ جس کا اظہار بغرض خوشنودی مزاج مسٹر منظہر ضروری سمجھتا ہوں ۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جب جناب امیر علیہ السلام نے عمر ابن عبدود کو جس پر تمام قریش نازاں تھے ۔ قتل کر کے خلعت فاخرہ لضربة علي يوم الخندق افضل من اعمال امتي سے مزین ہوئے ۔ تو اس وقت عکرمہ بن ابی جہل و ضرار بن خطاب رو بفرار ہوئے ۔ حضرت عمر نے جو سواد اعظم کے بقوے جرنل اعظم ہیں ۔ حوصلہ کر کے تعاقب کیا ۔ اور چاہا کہ پانچوں سواروں میں چہرہ لگائیں ۔ مگر چونکہ آپ کی قسمت میں یہ فقرے ثم ولیتم مدبرین آپ کا شیوہ مردمی و مردانگی پشت دکہانی تھی ۔ علاوہ بریں گھر کا بھیدی لنکا ڈہائے ۔ ضرار اپنے برادر گرامی کی شجاعت اور دلاوری سے آگاہی رکھتے تھے پلٹ پڑے ۔ حضرت جرنل اعظم انکو آمادہ کارزار دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے ۔ تو اس وقت ماں جائے بھائی نے صلہ رحم بجا لا کر ذری سی انی نیزہ کی چھبودی اور کہا کہ یہ میری نشانی اور یہ میری عنایت و مہربانی ہمیشہ کو یاد رکھنا ۔ یہ حضرت نے داد شجاعت اور مردانگی دیتے ہوئے سر پھوڑائے واپس اپنے آرامگاہ کو تشریف لائے ۔ شکر خدا کہ جان بچی لاکھوں پائے ۔ مجھے افسوس اس امر کا ہے کہ ان واقعات عظیمہ کے ہوتے ہوئے مخالفین شرم نہیں کرتے اور استہزا اور مذاق حق اڑاتے ہیں ۔ اگرچہ بہت کچھ منظہر صاحب کی خدمت گزاری کی گئی ہے ۔ مگر مختصراً کچھ اور بھی عرض کرتا ہوں ۔ تاکہ آپ کے روات کی غلط بیانی اور دروغ بافی کا پورا پورا حال آپکو معلوم ہو جائے ۔

منظہر صاحب ! آپ نے تو چیستان ڈال کر گنجفے تعصابی اور میرا پیشوا کو خوش کرنا چاہا ۔ مگر میں اس رازبستہ کا جب تک پورا پورا انکشاف نہ کرلوں آپ کو آرام نہ لینے دونگا ۔ مکرم من ! آپکے تمام پیشواؤں نے اسپر اتفاق کیا ہے کہ ام کلثوم معہ اپنے فرزند زید بعہد معاویہ فوت ہوئیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں ۔ کہ بعد از عمر آپ نے تین عقد اور کئے ۔ جس سے ان کی وفات کی بعہد معاویہ بالکل

نفی لازم آتی ہے بکتب تواریخ سفیان معاویہ شاہی مثلاً روضۃ الصفا۔ روضۃ الشہداء۔ حبیب السیر مقتل ابی مخنف مشہد ابو اسحاق وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ آپ معرکہ کربلا میں اپنے بھائی کے ہمراہ موجود تھیں۔ اور بہت سی مرثیے بجواب ام کلثوم نقل کئے ہیں۔ جو کوفہ اور بازار دمشق میں انکی زبان پر جاری ہوئے۔ بطور نمونہ علماء و مورخین اہلسنت کے چند اقوال نقل کئے دیتا ہوں۔ جن کے معائنہ سے آپ کی چیستان نویسی کا حال ہر ایک پر ظاہر و باہر ہوگا۔

معاویہ کے عہد میں جب ام کلثوم نے قضا کی در اور تھی۔ حضرت امیرؑ کی صاحبزادی اپنے بھائی کے ساتھ معرکہ کربلا میں موجود تھیں۔ کامل ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں صفحہ ۴۸ پر لکھا ہے۔ کہ جب اہلبیت رسولؐ کو یزید کے روبرو لے گئے۔ تو حضرت ام کلثومؑ نے کہا۔ (ویلکم وقتلتم الحسین وخذلتموہ ولبیتم اموالہ وورثتموہ وسبیتم نساءہ) وائے ہو تم پر حسینؑ کو قتل کیا۔ اور ان کی امداد سے ہاتھ اٹھایا۔ مال لوٹ کر اسکے وارث بنے۔ اور انکے اہل حرم کو قید کیا۔ اگر آپکے پیشواؤں کے قول کے مطابق ام کلثومؑ نے بعہد معاویہ قضا کی تھی۔ تو دربار یزید میں یہ کس ام کلثومؑ نے گفتگو کی۔ حیدر علی فیض آبادی جو سرآمد علمائے سنیہ ہیں اور انکا اقتدار اہلسنت کی نگاہ میں مثل شاہ صاحب امام اعظم سے ملتا جلتا ہے وہ ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۸ پر جو عبارت متعلق بہ ام کلثوم لکھتے ہیں۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مگر ضرورت موقعہ کے لحاظ سے دوبارہ لکھتا ہوں :۔

(چوں برادر عون بداعی اجل را لبیک گفت۔ او را بہ برادرش عبداللہ نکاح کردند ام کلثوم بخانہ وے وفات یافت۔) حضرت عبداللہ کی وفات ۸۰ھ میں بیان کی گئی ہے۔ جو معرکہ کربلا کے بیس برس بعد ہے۔ گویا کہ ہمارے نزدیک ام کلثوم کا عقد عبداللہ سے سراسر افتراء و بہتان ہے۔ مگر حیدر علی کے بیان سے یہ امر تو صاف ہو گیا۔ کہ بعہد معاویہ ام کلثوم کی وفات نہیں ہوئی۔ مولوی سلامت اللہ سنی المذہب نے سر الشہادتین میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام تحریر الشہادتین ہے۔ اور بڑے پایہ کے علماء سے ہیں۔ اس کے مختلف صفحات پر جو عبارت درج ہے۔ دکھلاتا ہوں۔ تاکہ منظر صاحب کی آنکھیں

روشن اور دل ٹھنڈا ہو۔ صفحہ ۱۲۰۔ سطر ۵ (روایت کردہ اند دیگر اسیران اہلبیت را بحضور ابن زیاد حاضر کردند گفت۔ الحمد للہ الذی اکرب واکرب۔ شکر خدا کہ سختی داد بدشمناں و سختی داد) حضرت ام کلثوم جواب داد (الحمد للہ الذی اکرمنا بہ محمد وطہرنا تطہیرا) شکر خدا کا کہ گرامی کرد مارا بہ محمد و پاک کرد مارا پاک کردنی۔ (صفحہ ۱۰۳ سطر ۵ کتاب مذکورۃ الصدر چوں زنان اہلبیت برشتران بے پردہ و پیراہن دریدہ در کوفہ رسیدند کوفیاں حال خرابی وہ دماں بنوت دیدند و گریستند۔ ام کلثوم گفت اے مردم کوفہ چرا گریہ مے کنید۔ ایں ہمہ بیداد کہ برما رفت ہمہ از دست شما رفت مردان مارا شما کشتید و باز گریہ می کنید۔ ابیات

جواب چیست شمارا اگر سوال کند محمد عربی از شما بروز جزا

کہ آں چہ بود کہ با اہل بیت من کردید

چو من بملک بقا رفتم از سرائے فنا

صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۳ (یزید متوجہ بطرف زناں و اہلبیت شدہ زینب و ام کلثوم و علی ابن الحسین را نزدیک طلبید۔)

صفحہ ۱۰۷۔ سطر ۲۔ (پس ازاں ام کلثوم برخواست و بسر حسینؑ افتادہ لب و دہان خود را براں لب و دہان چنداں مالید کہ بیہوش برزمین غلطید صفحہ مذکورہ سطر ۶۔ یزید پلید گفت مگر آں زن ہم خواہر حسینؑ است گفتند آرے ام کلثوم دختر فاطمہؑ است۔

(نوٹ) نامی صاحب! ناراض نہ ہوں کہ اُنکے شاہزادے جس نے جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ اور اسلام کے لئے نیزہ گاڑا۔ پلید کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ یہ ان کا اپنا ہم مذہب عالم جلیل القدر بانی ہتی ہے۔ اگر کچھ رنجش ہو تو اس پر غصہ نکالکر مصداق گوشت ..... و دنداں ..... ہوں۔

آمدم برسر مطلب۔ شیعہ تمام تر اور اہلسنت اکثر و بیشتر اس امر کے قائل ہیں کہ جناب ام کلثوم حادثہ قیامت خیز کربلا تک موجود تھیں۔ معاویہ کے عہد میں معہ زید جو اُنکا مرنا بیان کیا جاتا ہے۔ سراسر واہی و غلط ہے۔ جبکہ زید انکے شکم سے ہی نہ تھا۔ اور وہ ام کلثوم جنکو اس واقعہ کا ہیرو قرار دیا جاتا ہے۔ عمر کے مرنے تک

سات برس کی تھیں۔ لہٰذا جس قدر روایات بیان کی گئیں وہ بالکل غلط اور باطل محض ہیں۔ اصل یہ ہے۔ کہ ام کلثوم بنت علیؑ حادثۂ کربلا کے بعد کبر سنی میں رحلت فرمائے دار القرار ہوئیں۔ حمداً للہ کہ بہ توفیق الٰہی و عنایت رسالت پناہی و امداد ولایت دستگاہی علمائے سنیہ کی کذب بیانی اس خوش اسلوبی سے ظاہر کی گئی۔ کہ بیساختہ آیہ روانی ہدایہ لعنت اللہ علے الکاذبین کے ورد کرنے کا بار بار شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور امید ہے کہ اگر مظہر صاحب میں کچھ بھی سیادت کی بو ہوگی تو دشمنان اہلبیت کے حق میں اس آیہ مجیدہ کی تلاوت سے دریغ نہ فرما کر داخل حسنات ہونگے۔

فصل

مظہر صاحب کی چیستان پر تنقیدی نظر

علمائے شیعہ جو قریب العہد ائمہ تھے۔ انکو عقد سے انکار رہا ہے یا اقرار۔ اور جن کا اقرار ہے وہ اقرار الزامی طور پر ہے یا واقعی

دلیل اوّل: مسٹر مظہر کتاب تنزیہ الانبیاء مولفہ سید مرتضےٰ علم الہدےٰ کا حوالہ بلا تحریر اصلی عبارت دیگر قرآن السعدین کے صفحہ ۹ سطر ۱۹ سے ۲۳ تک یہ عبارت درج فرماتے ہیں۔ کہ " حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح ساتھ عمر کے منظور نہیں کیا۔ مگر بعد اسکے کہ عمر نے انکو دق کیا۔ اور ڈرایا اور جھگڑا مچایا۔ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دیکھا کہ فتنہ و فساد ہوا چاہتا ہے۔ تب حضرت امیر سے اس کام کو اپنے اختیار میں لے لیا۔ اور ام کلثوم کا نکاح ساتھ عمر کے کر دیا۔ اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ شرع میں ہرگز ممنوع نہیں ہے کہ بجبر واکراہ لڑکی کا نکاح اس شخص سے کر دیا جائے۔ جس کے ساتھ حالت اختیار میں

جائز ہونا خصوصاً عمر جیسے آدمی کے ساتھ کہ وہ اسلام بھی ظاہر کرتا تھا۔ اور تمام شریعت کا پابند تھا۔ اور دیگر علمایانِ اہلسنت مثل حیدر علی و محسن الملک وغیرہ نے یوں لکھا ہے۔ کہ سید مرتضیٰ علم الہدےٰ جو کہ شیعہ کے بڑے معتمد عالم تھے۔ وہ کتاب تنزیہ الانبیا میں لکھتے ہیں۔ (انکاحہ فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن هذا الباب مشروحًا و بیّنا انه علیه السلام ما اجاب عمر الی نکاح ابنته الا بعد توعد و تهدد و مراجعة و منازعة و کلام طویل ماثور اشفق معه من سوء الحال و ظهور لا ینزال تخفه)

خلاصہ یہ ہے۔ کہ سید مرتضیٰ لکھتے ہیں کہ جواب اس اعتراض نکاح کا ہم اپنی کتاب شافی میں مفصل و مشرح دے چکے ہیں۔ کہ یہ عقد بخیال انسداد فتنہ و فساد بعد مواعید شدید و تہدید واقع ہوا تھا۔ یہاں تک قول حضرات سُنیہ ہیں ×

قبل ازیں کہ استدلال اہلسنت کا جواب عرض کروں۔ کتاب تنزیہ الانبیا کی حقیقت بیان کردوں علمائے سُنّیہ نے بنظر برأت خلفائے ثلثہ انبیائے معصومین علیہم السلام کی خطا ثابت کرکے دکھائیں۔ اور لکھا کہ اگر حضرات شیخین وغیرہ سے بعض سوء عملیاں و بے اعتدالیاں واقع ہوئیں تو کیا ہرج ہے۔ کیونکہ وہ معصوم نہ تھے۔ گروہ انبیا جن کی عصمت پر اتفاق ہے۔ لغزش سے خالی نہیں رہے۔ جو دلائل بثبوت بدعملی عقاید سنیہ میں پیش ہوئے۔ انکو بلفظ تخطئیہ الانبیا بولا جاتا ہے۔ چونکہ اہلسنت نے معصومین پر الزام لگائے تھے۔ لہذا جناب سید نے بذریعہ کتاب مستطاب تنزیہ الانبیاء ان تمام الزامات کو انبیاء علیہم السّلام کی ذوات قدسیہ سے اٹھا کر ثابت کردیا کہ جو عیوب ان پر چسپاں کئے گئے ہیں وہ وسوسہ محض ہیں۔ بریں حیلہ ثلاثہ کی گردن ان جرائم کی رسی سے نہیں نکل سکتی۔ حضرات سنیہ کا یہ اصول ہے۔ کہ خدا و رسول پر دھبہ لگ جائے۔ مگر انکے پیشوا بچ جائیں۔ آج تک نہ ہوسکا کہ کتاب موصوف کے دلائل اور وجوہات یہ لوگ اٹھا سکیں ×

اب میں اصل واقعہ کو تحریر میں لاتا ہوں۔ علمائے شیعہ کو قاطبتاً وقوع عقد سے انکار رہا ہے۔ اس لئے حضرات اہلسنت بہ ثبوت انعقاد ان روایات ہی

وبے سوپا کے اعتبار سے جنہیں میں قبل ازیں تحریر میں لا چکا ہوں ۔ حضرات شیعہ کو غیرت میں لانے کی غرض سے پیش کیا کرتے ہیں۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ جن کے محامد وفضائل علمائے اہلسنت نے بیش از بیش بیان کئے ہیں۔ اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے جن کے بیان پر مسٹر مظہر و محسن الملک وحیدر علی وغیرہ نے استدلال کیا ہے ۔ شیخ موصوف الصدر کے شاگرد تھے ۔ اور جناب شیخ صاحب آئمہ علیہم السلام سے قریب العہد تھے۔ وہ بزرگوار بہ اقرار معتمدین سینۂ عقد کے ہونے سے قطعاً انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ صواعق محرقہ کے صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے۔ (زیادہ شد تعجب از اہل زمان خود کہ انکار تزویج عمر بہ ام کلثوم مے کنند) اس تحریر سے صاف ثابت ہے۔ کہ صاحب صواعق محرقہ کے زمانہ میں اور ان سے پہلے گروہ شیعہ کو واقعہ عقد سے انکار تھا۔ حیدر علی کنفش دوز ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۵۹ پر لکھتا ہے :سلا نورالدین حسینی مے گوید عجب دارم از روافض کہ روایات اہلبیت وافادات شان کہ عقل ونقل آنرا موید است وقرآن وحدیث تاسیس آں مے کنند ہرگز بگوش جا نمید ہند ونقل ودین وایمان خود را بہ روایات چندیں از ابالسہ دجاجلہ کہ نقیض ایں احادیث را احادیث عقد) است حوالہ مے کنند)

ان تحریرات سے صریحی وظاہری نتیجہ برآمد ہوتا ہے ۔ کہ فرقہ حقہ شیعہ کو بالمرہ عقد ام کلثوم کا انکار رہا ہے۔ اور روایات اہلبیت علیہم السلام متناقض قضیہ عقد کتب شیعہ میں موجود ہیں ۔ اگر عقد ام کلثوم کی روایات بطریق صحیح کتب شیعہ میں وارد ہوتیں۔ تو ممکن نہ تھا کہ سرکار شیخ جیسے بلند مرتبہ عالم جو قریب العہد آئمہ علیہم السلام تھے ۔ اسکے وقوع سے انکار فرماتے ۔ اور نہ نورالدین کو انکار شیعہ پر تعجب ہوتا ۔ پس جس طرح قدیم الایام سے علما وغیر علما انکار کرتے چلے آئے ہیں ۔ وہی حالت اب بھی ہے ۔

اب اس عبارت کا جواب دیتا ہوں جو علم الہدیٰ کی پیش کی گئی ہے ۔ سید صاحب کی تحریر کا یہ منشا نہیں کہ وہ وقوع عقد کے محققاً مقر ہیں ۔ کیونکہ ان کے استاد جب اس واقعہ کے منکر تھے ۔ تو ممکن نہیں کہ شاگرد خلاف استاد اقرار کریں سید صاحب کا بیان متذکرہ اس شخص کے مقابلہ میں ہے ۔ جو عقد کو دلیل اتحاد

واتفاق قرار دیگر بر سر مخاصمہ ہوا تھا۔ لہذا آپ فرماتے ہیں کہ ہرگاہ بذریعہ نکاح فریقین کی دوستی و اتحاد ثابت کرنا چاہتے ہو۔ تو یہ مدعا ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس امر کا وقوع بر بنا خلوص و رضامندی نہیں ہوا۔ بلکہ تہدید و تنبیہ و زجر و تعدی کے بعد جیساکہ تمہاری روایات سے ثابت ہے۔ ایسے معاملہ میں نہ خلیفہ با ایمان مانے جاسکتے ہیں اور نہ ان کی خلافت حقہ ہونے کی یہ دلیل ہوسکتی ہے۔ گویا جناب سید صاحب نے نہایت بلاغت و فصاحت سے خصم کے منہ کو رشتہ کلام سے بخیہ کیا ہے۔ اگر منظر صاحب کوئی ایسا ثبوت پیش فرماتے جس سے حضرت امیرؑ کی رضامندی پائی جاتی۔ تو البتہ کچھ بات تھی۔ اور جبکہ تحریر جناب سید علیہ الرحمہ سے انتہا درجہ کے جبر و تشدد کو بہ مثل روایات اہلسنت ثابت کر رہی ہے۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ مسٹر منظر کو سوائے ندامت کیا حاصل ہے۔ کچھ جناب سید ہی پر موقوف نہیں۔ میں بھی یہی عرض کرونگا۔ کہ جو نکاح دہکی اور خوف نقصان دلاکر حضرت عمر نے کیا۔ اس سے انکو مفاد آخرت اور شرف مصاہرت کیا ملا۔ سید صاحب نے۔ جو کچھ کتاب شافی میں لکھا ہے۔ وہ ہی تمام شیعہ کہتے ہیں۔ اور اسے یوم الصیام تک کہے جاوینگے۔ کہ جبر و کراہت و بیدلی و شدت و تعدی سے اہلسنت اس عقد کے قائل ہیں۔ اور اسی عنوانکو ہم تسلیم کرکے اقرار عقد کرتے ہیں جس سے ناکح کو سوائے مظلمہ آخرت کوئی دینی فایدہ نہیں مل سکتا۔ تنزیہ الانبیاء سے جس عبارت کا اپنے منشاء کے مطابق منظر صاحب ترجمہ کرکے پیش کرتے ہیں۔ اُس کا فقرہ آخر جو غیر مفید و بیخ کن ان کے مطلب کا تھا۔ شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے۔ وہ یہ ہے۔ (والخلاف فیہ مشہور) یعنے مابین سنی و شیعہ دربارہ نکاح جو اختلاف ہے وہ مشہور ہے۔ یہ فقرہ صاف کہہ رہا ہے۔ کہ دونو گروہ میں جو اختلاف دربارہ وقوع و غیر وقوع ہے وہ ایسا مشہور ہے۔ کہ حد تواتر کو پہنچا ہے۔ سید صاحب کی تمام تحریر کا مطلب یہ ہوا کہ اہلسنت زجر و تنبیہ سے عقد کا ہونا بیان کرتے ہیں۔ اور شیعہ کا اعتقاد اس کے خلاف ہے۔ یعنے یہ کہ نہ جبر ہوا اور نہ نکاح ہوا۔ صرف حضرات اہلسنت نے ایک بات بنائی مگر نہ بن سکی۔ سوائے ازیں رسالہ دلائل الاحکام سے انہیں سید صاحب کا

ایک ارشاد دکھلاتا ہوں کہ جس سے صاف طور پر سمجھ لیا جائیگا۔ کہ سیّد صاحب اور جمیع علمائے شیعہ اعتراضات عقد کے فرضی طور پر جواب دِہ ہوئے ہیں چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہوا ہے۔ (واما ماوقع من النبیین والائمۃ من تزویجہم بعد فرض محققۃ) یعنے نبی و ائمہ نے جو منافقوں سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کیا ہے اس کا جواب بعد فرض دیا جاتا ہے۔ شیعہ ثلاثہ کو منافق بتلاتے ہیں اور سنّی مومن کہتے ہیں۔ یہ ثبوت مومنیت عمر و عثمان اہلسنت اپنے زعم میں یہ حجت لاتے ہیں کہ اگر وہ منافق ہوتے۔ تو نبی عثمان اور علی عمر سے اپنی بیٹی کیوں بیاہ دیتے شیعہ قطعی منکر ہیں۔ کہ عثمان سے دختران نبی کا عقد ہرگز نہیں ہوا۔ جو دو لڑکیاں زینب و رقیہ عثمان کے نکاح میں آئیں۔ وہ حضرت خدیجہ کے شوہر اوّل کے نطفہ سے تھیں۔ یہی دونو لڑکیاں عثمان سے پہلے کفار قریش کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔ اگر عثمان سے بھی عقد ہوا۔ تو سوائے ازیں عثمان کو کیا شرف ملا کہ وہ دو کافروں کے ہمزلف ہوئے۔ علاوہ بریں بہت جواب دیئے گئے ہیں جو اصل کتاب کنز مکتوم و تحفۃ الاثنا عشریہ میں بہ تفصیل موجود ہیں۔ اور انشاءاللہ اصل بحث نبات النبی میں اسکا پورا پورا جواب عرض کرونگا۔ کہ نامی صاحب و منظر صاحب کا انشاءاللہ بخوبی اطمینان ہوگا۔ اسی طرح ام کلثوم کے معاملہ کی کیفیت ہے۔ جس کی طرف سیّد صاحب موصوف نے بفرض تحقیق اشارہ فرمایا ہے۔ منظر صاحب سیّد صاحب کی عبارت سے سوائے خجالت و ندامت کوئی فایدہ اُٹھا نہیں سکتے۔ کیا کہنا۔ منظر صاحب کا دعوٰے تو یہ کہ حضرت علیؑ نے خوشدلی اور فرط محبت سے عمر کو لائق دامادی سمجھ کر اپنی دختر کا نکاح کیا۔ اور دلائل یہ تو یہ ہے جس سے ہوائے افکار و مخاصمت ہم مزاج باد سموم ہوکر آپکے جسم کو شدت حرارت سے پھونکے دیتی ہے۔

منظر صاحب نے جو کچھ دلائل پیش کی ہیں وہی ہیں جو حیدر علی فیض آبادی اور ان سے محسن الملک نے لے کر آیات بینات میں لکھی ہیں۔ لہٰذا میں ہر ایک امر کی نسبت جواب دیتا ہوں۔ ناظرین خود انصاف فرمائینگے کہ منظر صاحب نے کونسی جودت طبع اس میں دکھلائی ہے۔

تیسری دلیل عقد کے بارے میں

مجالس المومنین سے قاضی نور اللہ شستری کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ (اگر نبیؐ دختر بعثمان داد ولے دختر بعمر فرستاد) اس تحریر سے مظہر صاحب بغلیں بجاتے ہیں۔ کہ علاوہ از عقد ام کلثوم با عمر یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ نے عثمان سے اپنی صاحبزادیوں کا عقد کیا۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی عبارت پیش کرنے سے نہ معلوم مظہر صاحب کو کیا فائدہ مد نظر ہے۔ اگر بلا غور و تامل سرسری نگاہ سے بھی دیکھا جائے۔ تو عجب پُر مغز کلام سے صاحب مجالس نے انکار عقد کیا ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ کہ اہلسنت زینبؐ رقیہ کو دختران رسولؐ قرار دیکر عثمانؓ کو آنحضرت کی دامادی کا شرف مثل جناب امیرؑ دیتے ہیں۔ اور شیعہ کو قدیماً و جدیداً اس سے انکار رہا ہے۔ لہذا قاضی صاحب مرحوم بجواب معترض فرماتے ہیں۔ کہ ہرگاہ بقول تمہارے نبیؐ نے عثمان کو دختر دی۔ تو ولی نے عمر سے قرابت کی۔ عثمان تمہارے نزدیک عمر سے ہزاروں مرتبہ اور شان میں کم درجہ رکھتے ہیں۔ پس جب نبیؐ نے محرق القرآن و تابع مردان کو بیٹیاں دیں۔ تو علیؑ نے ایسے شخص سے دختر کا نکاح کیا۔ جو سرگروہ ثلاثہ تھا۔ اس میں علیؑ کی کونسی توہین ہوئی۔ جس سے تم شیعہ کو منہ چڑھاتے ہو۔ اگر کسی مشرک و کافر سے ایسا کیا جاتا۔ تو لائق و قابل مذاق تھا۔ علاوہ بریں ذرا قاضی صاحب کی تحریر کو ملاحظہ فرمائیے۔ جناب قاضی صاحب نے پہلے لفظ اگر فرمایا ہے۔ جو بمقام شرط بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ نہ نبیؐ نے ایسا کیا۔ اور نہ علیؑ نے۔ قاضی صاحب کے نزدیک اگر زینب و رقیہ آنحضرتؐ کی صلبی لڑکیاں ہوتیں اور جناب امیرؑ نے ام کلثوم کا نکاح عمر سے کیا ہوتا۔ تو (اگر) نہ فرماتے۔ اس سے واضح ہو گیا۔ کہ تمام تر تقریر بفرض کی گئی ہے۔ ہمارے علماء نے اور نیز ہم جو خاکپائے علماء ہیں۔ یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ کہ بمقابلہ خصم فرضاً عقد کو تسلیم کر کے انہیں کی روایات سے انکو ایسا ساکت و مجبوج کرتے ہیں۔ کہ انہیں یارائے دم زدن نہیں رہتا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ کہ جس وقت میں یہ مضمون تحریر کر رہا تھا۔ میرے ایک

دوست سیّد امیر علیشاہ صاحب سنّی المذہب ضلع منٹگمری کے رہنے والے میرے یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس واقعہ کی نسبت مجھ سے گفتگو کرنے لگے۔ میں نے عرض کیا۔ پہلے آپ اپنے یہاں کی روایات کو ملاحظہ فرمالیں۔ پھر جو چاہے بعد از غور تمام مجھ سے سوال کیجئے۔ چنانچہ احقر نے اسی وقت ہدایات الرشید مولوی خلیل احمد کھوکھر ان کو دی۔ اور یہ روایت دکھلائی۔ کہ حضرت امیرؑ نے اپنی دختر کو بغرض پسند بھیجدیا۔ عمر نے اسکے منہ سے چادر ہٹائی۔ منہ چوما۔ وغیرہ۔ سیّد صاحب موصوف الصدر گو کہ سنی المذہب تھے۔ مگر بہرحال کچھ ان میں اثر سیادت تھا۔ لرز کر فرمانے لگے۔ کہ بھائی اس کتاب کو بند کرو مجھے نہ دکھاؤ۔ میرا دل اس مضمون کے دیکھنے یا سننے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر افسوس مظہر صاحب نے تمام روایات اہلسنت کو ضرور ازالۃ الغین اور آیات بینات میں دیکھا ہوگا۔ ان میں تو ذرّہ برابر بھی رگ سیادت جوشزن نہ ہوئی بلکہ نہایت رنگ آمیزی سے لکھے شیعوں کا منہ چڑانے۔ فاعتبروا یا اولی الالبابؑ

علاوہ بریں ایک اور بات دکھلاتا ہوں۔ جس سے عثمان صاحب کا داماد نبیؐ ہونا باطل ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ہر ایک شخص فخریہ اسی بات کو بیان کرتا ہے۔ جو بے عدیل ہو۔ اور اگر کسی ایسی تعریف وتوصیف میں جس میں اس کے ساتھ دوسرے بھی شریک وسہیم ہوں تو ایسے دعویدار کو کوئی احمق سے احمق عاقل نہ کہیگا۔ قرآن مجید میں جو یہ آیۂ مجیدہ وارد ہوئی ہے۔ کہ:۔ (فجعلہ نسبًا وصہرًا) اس کی نسبت مفسرین ومورخین لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امیرؑ کہا کرتے کہ سوائے میری ذات کے تمام عالم میں کوئی شخص اس آیہ کا مقصود نہیں۔ کیونکہ میں ہی ایک ایسا فرد ہوں۔ جسے آنحضرتؐ سے شرف نسب وصہر حاصل ہے۔ میرے بغیر اگر کوئی ایسا دعوے کرے۔ وہ کاذب اور گمراہ ہے۔

چونکہ زینب اور رقیہ بعد از جدائے کفار عثمان کے عقد میں آئیں۔ تو بقول اہلسنت وہ آنحضرتؐ کے بڑے داماد ٹھیرے۔ اور طرہ براں یہ ہوا کہ دونو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے عقد ہوے تھے ملقب بہ ذوالنورین

کیئے گئے۔ درحالیکہ عثمان نبیؐ کے بڑے ڈبل درجہ کے داماد ٹھیرے۔ تو علیؑ کا
بمقام فخر صہر رسول پر دعوئے یکتائی کرنا سراسر بیجا ہے۔ میرے خیال میں کوئی
مسلمان گو بباطن کچھ ہو۔ مگر بظاہر حضرت امیرؑ کی نسبت لغو اور غلط دعوے
کرنیکا اقرار نہ کریگا۔ لہذا جناب امیر کے رتبے اقرار سے ثابت ہوا کہ نبیؐ کی صلبی دختر
سوائے جناب فاطمہؑ اور کوئی نہ تھی۔ اگر کوئی ہوتی۔ تو حضرت علیؑ ایسا دعوے
نہ کرتے۔ علاوہ بریں دُنیا کا قاعدہ ہے۔ کہ بڑی اولاد بمقابلہ اولاد خورد زیادہ عزت
کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مگر کتب فریقین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ
زینب و رقیہ کی شان میں کوئی حدیث فضیلت موجود نہیں۔ جس طرف دیکھیئے۔
جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی تعریف میں انبارا نبار احادیث دیکھی جاتی ہیں۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے بھی رسالہ ہدایۃ الشیعہ میں
اقرار کیا ہے۔ کہ زینب و رقیہ کے فضائل کا ذکر کسی حدیث میں نہیں۔ مسٹر مظہر ذرا
سوچیئے۔ حضرت فاطمہؑ ہی کی اذیت کو آنحضرتؐ نے اپنی اذیت فرمایا۔ ان کے
دشمنوں پر نفرین کی۔ ان کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دیا۔ ہمیشہ ان کی تعظیم کرتے۔
انہیں کا نکاح عرش اعلےٰ پر ہوا۔ وہی ایسی عالی مرتبہ تھیں۔ جن کی چکی ملائکہ
نے پیسی۔ اور حوروں نے دایہ گری کی خدمت کو انجام دیا۔ تعجب ہے کہ چھوٹی صاحبزادی
کی تو یہ عزت اور بڑی بیٹیوں کا ذکر تک ندارد۔ قاضی صاحب مرحوم نے اسی
واسطے انتہائے متانت سے فرمایا۔ کہ اگر نبیؐ نے بیٹیاں دیں تو علیؑ نے بھی
دی۔ مراد یہ ہوئی۔ کہ جیسے ازواج عثمان آنحضرتؐ کی صلبی لڑکیاں نہ تھیں۔ ایسے
ہی ام کلثوم علیؑ کی دختر نہ تھی۔ بلکہ وہ ابوبکر کی لڑکی تھی۔ قاضی صاحب کا یہ
اقرار جملہ شرطیہ کے ساتھ صریحاً بطور فرض ہے۔ نہ تسلیم امر واقعی۔

دلیل نمبر ۳ جو آپ مجالس المومنین سے لکھتے ہیں۔ کہ ابوالحسن علی بن
اسمٰعیل سے چند مسائل کسی نے پوچھے۔ ازاں جملہ عقد ام
کلثوم کا بھی استفسار تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ (دادن دختر بہ عمر کہ جناب
امیرالمومنینؑ اتفاق افتاد۔ بایں جہت بود کہ اظہار شہادتین می نمود و زبان
اقرار بہ فضیلت رسول می کشود۔ و دراں باب غلظت و فظاظت او نیز منظور بود)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وقوع عقد کا اقرار ابوالحسن عالم شیعہ کو تھا جو آبا عرض ہے۔ شیخ ابوالحسن صاحب جن کے حوالے سے عبارت بالا بیان ہوئی ہے۔ ہمارے جلیل الشان علماء سے ہیں۔ نہایت ہی دقیقہ سنج و نکتہ رس بزرگوار تھے۔ علم مناظرہ میں آپ کا پایہ بہت بڑا ہے۔ مخالف کا منہ دو ہی باتوں سے بند کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی جواب کو دیکھیئے کیسا متین ہے۔ قبل از ردو قدح نقل عبارت میں جو منظہر صاحب نے خیانت کی ہے۔ اور عبارت کو اپنا ہمرنگ بنایا ہے اس کا حال معرض تحریر میں لاتا ہوں۔ تاکہ منظہر صاحب کا اقتدار عوام پر ظاہر ہو حقیقت حال تو یہ ہے۔ کہ مسٹر منظہر بذاتہ تو کوئی چیز نہیں۔ نہ آپکو تاریخ پر عبور نہ علم مناظرہ سے مس۔ جو کچھ کسی سے سن لیا وہی کہہ دیا۔ محسن الملک کی آیات بینات کو سامنے رکھ کر آپ نے ایک صحیفہ لکھدیا۔ اور نام اپنا مصنفین اور مناظرین کی فہرست میں لکھوا لیا۔ محسن الملک نے بھی حیدر علی فیض آبادی کی تالیفات میں جو دیکھا تھا۔ وہی لکھا تھا۔ اور کچھ باتیں اپنی طبیعت کے زور سے اضافہ کی تھیں۔ اصل خانہ فیض آبادی ہیں وہ قوم کے موچی تھے۔ اُنکے آباو اجداد کفش دوزی سے اوقات بسری کرتے تھے۔ خود لکھ پڑھ کر مولوی بنے۔ خاندانی اثر کیسے جاتا۔ بزرگ چمڑا کاٹتے تراشتے تھے۔ آپ نے کتابوں سے کتر بیونت شروع کی۔ میں مجالس المومنین مطبوعہ طہران سے صحیح صحیح نقل پیش کرکے منظہر صاحب کو دکھلائے دیتا ہوں۔ کہ اصل عبارت کیا ہے اور کفش دوز صاحب نے کیا تراش خراش کی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ (اظہار شہادتین مے نمود بزبان و اقرار بفضل حضرت امیر میکرد و دراں باب اصلاح غلظت و فظاظت او نیز منظور بود و ایں قضیہ شدید نزاراں بنود کہ حضرت لوط پیغمبر عرض دختران بر قوم کافرے نمود بمضمون آیہ کریمہ ھٰؤلاء بناتی اطھرلکم) حیدر علی نے بمقتضا خیانت جو اصل عبارت سے اختلاف لفظی کیا ہے۔ اسے ظاہر کئے دیتا ہوں تاکہ ناظرین پر اصلیت معاملہ ظاہر و باہر ہو جائے۔ عبارت مجالس المومنین مع اظہار شہادتین مے نمود بزبان و اقرار فضیلت حضرت امیر میکرد) عبارت حیدر علی و محسن الملک و مسٹر منظہر (اظہار شہادتین مے نمود و زبان اقرار بفضیلت

رسولؐ مے کشود)

تصریح تحریف اول۔ بزبان کو وزبان کہہ کر فقرہ آخر سے ملحق کر دیا۔ تاکہ انکے حسب منشاء مطلب پیدا ہو جائے۔ لفظ (بزبان) میں انکے لئے یہ خرابی تھی۔ کہ عمر اقرار شہادتین محض زبان سے کرتے تھے۔ نہ قلب سے۔

تصریح تحریف دوم۔ اقرار بہ فضل جناب امیرؑ مے کرد۔ اس فقرہ سے لفظ جناب امیر کو ساقط کیا۔ اور اس کی جگہ رسول قائم کیا۔ ہر چند آپکے رہبر حیدر علی نے خیانت میں پوری پوری کوشش کی۔ مگر پھر بھی ناکامی رہی۔ کیونکہ جو شخص باقرار شہادتین کریگا۔ وہ بالضرور آنحضرتؐ کی رسالت کا قائل ہوگا۔ کیونکہ شہادتین وحدانیت خدا اور تصدیق رسالت کا نام ہے۔ اندریں صورت یہ فقرہ زائد و فضول اور بے معنے ہوگیا۔ اور حضرت امیرؑ کی افضلیت کا مقر تھا۔ یعنے مثل نواصب و خوارج اعلان عداوت نہ کرتا تھا۔ فقرہ افضلیت رسولؐ دیگر وجوہ سے بھی باطل ہے۔ کیونکہ مفضول کے فاضل کیضرورت ضروری ہے۔ رسولؐ کے مقابل کون ایسا شخص تھا۔ جو فاضل قرار دیا جاتا۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ نبیؐ ابوجہل یا ابوبکر و عمر سے افضل تھے۔ افسوس ہے کہ کشف شدہ صاحب نے فقرہ کی کاٹ تراش اور لفظوں کی چھیل چھال کرتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ آخر میں کیا خرابی ہوگی۔ اقرار بہ فضیلت حضرت امیرؑ میکرد۔ یہ جملہ البتہ بہر نوع صحیح مانا جا سکتا ہے۔ کیونکہ عمر بلکہ ابوبکر اپنے مقابل حضرت امیرؑ کو بہمہ جہت اعلےٰ و افضل جانتے تھے۔ چنانچہ کتب اہلسنت میں ابوبکر کا یہ قول موجود ہے۔ (اقیلونی اقیلونی فلست بخیرکم و علی فیکم) یعنے ابوبکر اپنے یاران دمساز کے مجمع میں فرمایا کرتے کہ بھائی مجھے چھوڑ دو۔ چھوڑ دو یعنی خلافت سے سبکدوش کر دو۔ میں تمہارے لئے بموجودگی علیؑ بہتر نہیں ہوں۔ افسوس ہے کہ خلافت مآب ان گرم الفاظ میں جناب امیرؑ کی احقیت و افضلیت اور لائق خلافت ہونیکا اقرار فرماویں۔ اور چلتے وقت چارج حضرت عمر کو دے جاویں خود حضرت عمر کا لولا علی لہلک عمر کہنا حد تواتر سے بھی گذرا ہوا ہے۔ یہانتک کہ کتب نحو میں مثالاً پیش کیا جاتا ہے۔

غدیر میں جملہ صحابہ اور خصوص حضرت عمر کا جناب امیرؑ کو اپنا مولا تسلیم کرنا گو زبانی ہی تھا۔ مگر اقرار افضلیت ضرور کیا گیا۔ پس مظہر صاحب کا یہ فقرہ (وزبان اقرار بہ فضیلت رسول می کشود) ہرگز قابل تسلیم نہیں کفش دوز نے عبارت کے کانٹ چھانٹ سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ بلکہ مرتکب جعلسازی ہوئے۔ عبارت مجالس (ودران باب اصلاح فظاظت و غلاظت او نیز منظور بود و ایں قضیہ شدیدتر ازاں بنود کہ حضرت لوط بنات خود را الے آخرہ) تحریر کفش دوز و محسن الملک و مظہر (ودراں باب فظاظت و غلاظت او نیز منظور بود) حیدر علی ومحسن الملک اور آپ نے یہ فقرہ بالکل مہمل اور بے معنے کر دیا۔ گویا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت امیرؑ کو منظور تھا۔ کہ اس عقد سے یہ فظ و غلیظ ہو جاویں گے۔ استغفر اللہ لفظ اصلاح کو بالکل ہی اڑا دیا۔ اور حضرت لوط کے معاملہ کو قطعاً چھوڑ دیا۔ جس سے انتہا درجہ کی حضرت عمر کی رزالت ثابت ہوتی تھی۔ تمام عبارت مجالس کا یہ مطلب تھا۔ کہ اگر عمر سے علیؑ نے بقول تمہارے عقد کیا۔ تو کیا قباحت شرعیہ لازم آئی۔ خدا و نبیؐ کے منکر ظاہری نہ تھے۔ اور حضرت امیرؑ کی فضیلت کے قائل تھے۔ حضرت لوط نے تو بغرض ترک عادت لواطت کفار سے کہا تھا کہ تم اس خوئے بد کو چھوڑ دو۔ اور میری لڑکیوں سے جو کہ طاہرہ و عفیفہ ہیں دل خوش کرو۔ چونکہ عمر درشت طبیعت تھا۔ اگر بہ ایں طریقہ حضرت امیرؑ نے ان کے مزاج کی اصلاح چاہی ہو تو کیا ہرج ہے۔ اس تقریر نے عمر کے معائب بھی بیان کر دیئے۔ اور خصم کو ساکت بھی کر دیا۔ عمر کا افظ غلیظ ہونا ایسا صحیح واقعہ ہے کہ جس سے انکار مشکل۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں بحوالہ ترمذی و مستدرک رقمطراز ہیں کہ جب ابوبکر نے خلافت کا فرمان عمر کے نام لکھا۔ تو صحابہ نے کہا کہ یہ آپ کیا غضب کرتے ہیں۔ کہ ایک تند خو۔ بدمزاج کو سکہ و دوات دیکر ہمیں آفت میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ پہلے سے ہی ایسے سخت طبیعت واقع ہوئے ہیں۔ کہ سنبھالے سے انکا سنبھلنا مشکل۔ دستار حکومت باندھ کر تو اور بھی فرعون بے سامان ہو جائینگے۔ خدارا ان بھیڑ بکریوں کو ایسے چوپان کے حوالے نہ کیجئے۔ جو خود گرگ منش ہو۔ شہرستانی نے ملل و نحل میں لکھا ہے۔ کہ جب

ابوبکر نے اپنا قائم مقام عمر کو بنایا۔ تو اہلِ مدینہ نے غل مچایا۔ ہر ایک بطور تشنیع خلیفہ کو کہتا تھا۔ (وکیت علینا فظا غلیظا) یعنے ہم پر تم نے بدمزاج و جنگجو کو مسلط کیا۔ اسی مضمون سے ملتا ہوا کتاب ریاض النضرہ میں ہے اب آپ ملاحظہ فرمایئے۔ کہ ہر ایک شخص عمر کی خلافت سے ناراض تھا۔ تاریخ خمیس میں لکھا ہے۔ کہ طلحہ و زبیر وغیرہ معترض بہ خلافت عمر تھے۔ کنز العمال میں جناب امیرؑ کا نام بھی لکھا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ کہ ازواج نبیؐ ہمیشہ عمر کو فظ و غلیظ کے نام سے مخاطب کرتیں۔ شیخ ابوالحسن صاحب نے کیا معقول تعریض فرمائی کہ اگر جناب امیرؑ نے ایسا کیا تو کتنا فائدہ مقصود تھا۔ کہ ایک خود درشت طبیعت خاندان نبوت کی فیضانِ صحبت سے نیک طبیعت ہو جائے۔ حیدر علی نے تمام واقعہ کو مجالس المومنین سے نہیں لکھا۔ کیونکہ اس میں سخت حقارت اور توہین شیخین مقصود تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اسی سائل نے جس نے ذکر عقد کیا تھا یہ بھی پوچھا کہ جناب امیرؑ نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے فوری جواب دیا کہ ہمارے اور تمہارے مسئلہ امامت میں نزاع ہے ہم بدلائل شافیہ و براہین کافیہ جناب امیرؑ کا خلیفہ بلا فصل ہونا تمہاری کتب سے ثابت کرتے ہیں۔ پس اگر بقول تمہارے جناب امیرؑ نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی ہوگی۔ تو اس میں ابوبکر کا سراسر نقصان متصور ہے نہ علیؑ کا۔ کیونکہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ کہ جو امام جائز الاطاعت اور واجب الاتباع پر تقدم کرے۔ اس کی نماز باطل ہے۔ چونکہ حضرت امیرؑ امام حقیقی تھے۔ اور ابوبکر اس کے خلاف لہٰذا جناب امیرؑ کی نماز صحیح اور ابوبکر کی نماز غلط۔ جناب شیخ صاحب مرحوم نے ایسے ساکت جواب دیئے ہیں کہ نہ ان سے پہلے کسی نے دیئے اور نہ اب قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا حیدر علی سے اور تو کچھ نہ ہو سکا خیانت کا ارتکاب کر کے آدھا تیتر آدھا بٹیر بنایا۔ محسن الملک نے بھی اسکا اتباع کیا اور آپ کا تو کیا کہنا۔ آپ تو معذور ہی ٹھیرے۔ کیونکہ نہ تاریخ دیکھی نہ کتب مناظرہ پر عبور کیا۔ آیات بنیات کو مقابل رکھ کر اور اسے الہامی کتاب سمجھ کر رسالہ لکھ دیا۔ اور اپنا نام بھی مصنفین اور مناظرین میں گنوایا۔ "ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند"۔ آپ جانتے ہیں کہ تحریف کا جرم کتنا بڑا ہے۔ آپ

بھی باتباع اسلاف اس جرم کے مرتکب ہوئے۔ مگر میں نے آپ کی طرف سے عذر کردیا۔ کیوں نہ ہو۔ کبھی کا بیل جول کام آہی جاتا ہے۔ مگر اتنا کہے دیتا ہوں کہ نقل راہم عقل باید۔ پہلے آپ اچھی طرح مطالعہ فرما لیا کریں پھر لکھا کریں۔ وہ

دلیل چہارم

دربارۂ عقد مظہر صاحب حسب التحریر محسن الملک کتاب کافی سے پیش کرتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے۔ (عن زرارہ عن ابی عبد اللّٰہ فی تزویج ام کلثوم فقال ان ذالک فرج غصبناہ) یعنے امام جعفر صادق علیہ السلام سے درباب تزویج ام کلثوم منقول ہے۔ کہ یہ فرج ہم سے غصب کی گئی۔ اسے لکھ کر مظہر صاحب نے بڑی عبارت آرائی کی ہے۔ اور تعجب ظاہر کیا ہے۔ کہ امام کی زبان سے ایسا مکروہ وخلاف تہذیب کلمہ کیونکر صادر ہوسکتا ہے۔ اور اسکے لئے شیعان مرتضوی کو مطعون کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ زبان امام سے ہرگز یہ مذموم کلام صادر نہیں ہوا۔ علمائے شیعہ نے خود لکھ کر منسوب بہ امام کیا ہے۔ اگر فی الواقع یہ جملہ امام کا ہے۔ تو انہیں شائستہ کلام کرنا نہ آتا تھا۔ اور عوام الناس کی طرح ایسے کلمات کہنے کے عادی تھے۔ جسے کوئی بھلا آدمی نہیں کہہ سکتا۔ اور عقد کا ہونا اس سے ثابت ہے۔ اور چونکہ یہ روایت شیعوں کی معتبر کتاب میں ہے۔ اس لئے انکو عقد کا ہونا تسلیم کرنا چاہئے۔ غرضیکہ وہی عبارت محسن الملک کو الٹ پھیر کرکے اسی رنگ میں بٹھایا ہے۔ جس میں محسن الملک رقمطراز ہوئے تھے۔ میں اس روایت کے بارے میں کئی طرح کا جواب عرض کرتا ہوں۔

اول یہ کہ ہمارے مذہب میں جس قدر کتابیں احادیث کی ہیں۔ ان میں سے ایک کی نسبت بھی ہمارا یہ دعوٰے نہیں۔ کہ ان میں جو کچھ لکھا ہے۔ بالکل صحیح اور تنقیدیافتہ ہے۔ حسب مواقع ہر ایک حدیث دوسرے کی ناقص اور مخالف واقع ہوئی ہے۔ ہاں اگر ہم آپ کی طرح اپنی کتب کو صحیح کے خطاب سے مخاطب کریں جیسے کہ مسلم و بخاری وغیرہ کو صحاح کہا جاتا ہے۔ تو ہر اندراج کا ماننا لازمی ہوگا مدعیونکا عقیدہ ہے۔ کہ بعد قرآن بخاری و مسلم نہایت صحیح و معتبر ہیں۔ اور انکے مولفین نے ہر حدیث کی صحت میں اہتمام بلیغ کیا ہے۔ اطراف و اکناف عالم میں پھر پھرا کر اچھی طرح جانچ و پڑتال کی ہے۔ آپ کے علماء نے

یہاں تک انکو معتبر سمجھا ہے۔ کہ اگر کوئی مثل قران سمجھ کر بخاری و مسلم کی قسم کھلائے۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ایسی معتبر و مستند کتابیں جنکو قائمقام قران سمجھا گیا اور جن کی نسبت لکھا کہ آنحضرتؐ نے جواب میں ایک شخص سے فرمایا کہ تو ہماری کتاب کیوں نہیں پڑھتا؟ اس نے عرض کیا۔ کونسی؟ فرمایا مسلم و بخاری۔ ان کتابوں کی نسبت حیدر علی کفشدوز جن کی تحریر آپ کے لئے مایۂ ناز ہے۔ اور اس کی تحریر کے مطابق آپ استدلال فرمارہے ہیں۔ ازالۃ الغین میں لکھتے ہیں۔ کہ دو سو دس حدیثیں غلط اور نامعتبر ہیں۔ اسی بخاری اور ستر مسلم میں اور تیس مشترک۔ دونوں میں جبکہ ایسی مسلمہ کتابوں میں اندراجات کی یہ حالت ہے۔ تو ہم منقدہ کتب کی نسبت عدم صحت کا عذر کرنے میں زیادہ احق ہوسکتے ہیں آپ پر لازم تھا کہ پہلے اس روایت کی صحت ثابت کرتے۔ پھر اپنے مطلب کے لئے اس پر استدلال فرماتے۔ کتاب کافی وغیرہ کتب حدیث کی نسبت ہمارا یہ اعتقاد ہے۔ کہ مولفین کو جو کچھ رطب و یابس ملا وہ بلا تنقیح و تنقید لکھ دیا۔ چونکہ یہ واقعہ عقد حسب روایات اہلسنت و شیعہ بالکل لغو و باطل ہے۔ اور ہمارے علمائے کو ہمیشہ سے انکار رہا ہے۔ جیسا کہ عنقریب بیانات شیعہ سے ظاہر ہوگا۔ اور کچھ ہو چکا ہے۔ بنابراں ایسی روایت جو کہ خلاف اجماع ہے ہرگز ہرگز قابل تسلیم نہیں بلکہ مطروح کے مرتبہ میں شمار ہوگی۔ جناب مفید علیہ الرحمہ کا ارشاد جو کہ قریب العہد ائمہؑ تھے۔ بحارالانوار میں بدیں خلاصہ نقل ہوا ہے۔ کہ جو روایت متعلق بہ عقد امامؑ سے وارد ہوئی ہے۔ وہ درجہ ثبوت کو نہیں پہونچی۔ کیونکہ اسکا راوی زبیر ابن بکار ہے۔ جو حضرت امیرؑ کا شدید دشمن تھا۔ علاوہ بریں وہ دشمن خاندان رسالتؐ اپنے بیان میں مستقل نہیں مضطربانہ گفتگو کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ یہ عقد حضرت علیؑ نے کیا۔ گاہے بیان طراز ہے کہ عباسؓ نے بولایت خود کیا۔ کہیں کہتا ہے کہ جب عمر نے خوف دلایا۔ تہدید کی اس وقت یہ نکاح واقع ہوا۔ ابن شہر آشوب کتاب مناقب میں اس واقعہ سے انکار صریح فرماتے ہیں۔ نقیب ماوندی علیہ الرحمہ اسکے غیر صحیح ہونے کے قائل تھے۔ سید مرتضٰے کا بیان اس سے پہلے بحث میں آچکا ہے۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔ (دفعہ اختلاف کیثرہ) اب آپ غور فرمایئے کہ

ایسی غیر منقح و منتقد روایت جو اکابر علمائے شیعہ کے خلاف ہے۔ کیونکر واجب التسلیم
ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں اس روایت میں صرف ام کلثوم لکھا ہے۔ کوئی تصریح بنت
علیؑ یا فاطمہؑ کی نہیں ہے۔ اگر مان بھی لیں۔ تو ممکن ہے۔ کہ حضرت امام کی مراد اسی
ام کلثوم بنت ابوبکر سے ہو جو اپنی والدہ کی معیت میں جناب امیرؑ کے گھر رہتی
تھی۔ اور بلا سماعت عذر کم سنی وغیرہ عمر نے حسب روایات سنیہ اس سے عقد
کیا۔ چونکہ وہ لڑکی پروردہ خاندان نبوت تھی۔ اور عمر کا جو جبر و اصرار ہوا۔
بایں لفظ غضب کا استعمال کیا گیا۔ حالانکہ قلمی نسخہ کافی جو موجود ہے۔ اس میں غضب
لکھا ہوا ہے۔ اور یہ قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ حضرت نے فرمایا۔ کہ اس واقعہ
ام کلثوم نے جو مخالفین کہتے ہیں۔ بہ سبب اس کے جو جھوٹ و افترا ہونے کے ہمیں
غضب ناک کیا۔ دوم یہ کہ مناظر دعوے یہ ہے۔ کہ حضرت امیرؑ نے عمر کو لائق دامادی
سمجھ کر نہایت رضائے خاطر و خوشدلی سے عقد کیا۔ اور جو روایت استدلال میں پیش ہوتی
ہے۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں۔ تو عمر پر الزام جبر و ظلم و غضب عاید ہوتا ہے۔ مجبور و
مظلوم ہونا کوئی عیب نہیں۔ ہمیشہ انبیاء و اولیاء پامال اشقیاء ہوئے ہیں۔
سوم لفظ فرج ہے۔ جس پر مظہر صاحب نے بڑا شور برپا کیا ہے۔ اس کی بابت
عرض کرتا ہوں کہ مظہر صاحب کا یہ شور برپا کرنا ان کی کم فہمی پر دال ہے۔
جناب من مثل مشہور ہے ہر ملکے و ہر رسمے بعض ممالک میں جو بات اچھی سمجھی
جاتی ہے۔ وہی دوسری جگہ معیوب خیال کی جاتی ہے۔ علے ہذا کسی موقعہ پر
ایک چیز کو کچھ بولا جاتا ہے۔ دوسری جگہ وہی چیز اور نام سے منسوب ہوتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ایک ملک والے دوسروں پر محض اختلاف زبان کی وجہ سے
قہقہہ لگایا کرتے ہیں۔ دور نہ جائیے۔ ملتان کو دیکھئے۔ جہاں پر آپ کے
والد ماجد نے حق کی طرف مائل ہو کر سابقہ منیات و خطیات سے خدا کی طرف
رجوع کی تھی۔ وہاں دودھ کو کھیر کہتے ہیں۔ اور یہاں کھیر شیر برنج کو کہتے
ہیں۔ اگر الف لگایا جائے تو خیار ہو جاتا ہے۔ بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث
کے مقام پر مختلف جگہ کے آدمی آپس میں مذاق اڑاتے ہیں۔ لفظ (فرج)
مندرجہ کافی کو منشر مگاہ سمجھ کر مظہر صاحب نے یہ اتباع محسن الملک ایراد بد تہذیبی

کیا ہے۔ حالانکہ جس ملک میں زبان عربی رائج ہے۔ وہاں اس کا بولنا ہرگز معیوب نہیں۔ ہندوستان کے رہنے والے اپنے مذاق کے لحاظ سے البتہ خلاف حیا کہہ سکتے ہیں۔ عرب کی بول چال کو ہندی محاورات پر منطبق کر کے معترض ہونا آپکی انتہائی قابلیت کا ثبوت ہے۔ افسوس یہ ہے کہ عالم الغیب نے اور آنحضرتؐ اور صحابہ نے بھی اس امر کا خیال نہ فرمایا۔ کہ مظہر اس لفظ کو خلاف تہذیب سمجھ کر معترض ہونگے۔ ورنہ کتاب اللہ بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں لفظ مذکور مواقع مختلفہ میں وارد نہ ہوتا۔ بنظر اختصار چند مواقع پیش کرتا ہوں۔ یا آنکہ مظہر صاحب کبھی بھولے سے بھی تلاوت قرآنی نہیں کرتے۔ اگر تلاوت کرتے تو یہ اعتراض نہ فرماتے

ثبوت از قرآن

ومریم بنت عمران التی احصنت فرجہا (لفروجہم حافظون) والحافظین فروجہم) ویحفظن فروجہن) ویحفظوا فروجہم) مشکوٰۃ شریف میں بخاری شریف اور مسلم سے لکھا ہے۔ (عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرک ذالک لامحالۃ فزنا العینین النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تمنی وتشتہی والفرج یصدق ذالک ویکذبہ متفق علیہ) ابوہریرہ کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے اولاد آدم کے لئے زنا کا حصہ لکھا ہے۔ پس اس کو پہونچیگا آنکھ کا زنا تو نامحرم پر نظر کرنا ہے۔ اور زبان کا کلام وہ شہوت انگیز کرتا ہے۔ نفس آرزو کرتا ہے۔ اور فرج سچا کرتی ہے اسکو یا جھوٹا۔ اس روایت صحیحہ کو مدنظر رکھ کر تمام روایات عقد کو جو تمہارے علماء نے لکھی ہیں۔ مثلاً بوسہ لینا یا ساق پا کا کھولنا یا گھورنا یا سینہ سے چمٹانا ملاحظہ فرمایئے۔ تو آپ کے حضرت عمر زنائے چشم و زنائے زبان سے محفوظ ومصئون نہیں رہ سکتے۔ ترمذی میں وارد ہوا ہے۔ (من مس فرجہ فلیتوضا) جو شخص اپنی فرج کو مس کرے۔ لازم ہے کہ وضو کرے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے (قال رسول اللہ المرأۃ اذا صلت خمسا وصامت شہرہا واحصنت فرجہا) آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ عورت پانچ وقت نماز پڑھے۔ اور ماہ رمضان کے روزے رکھے۔ اور اپنی فرج کی حفاظت کرے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

(عن اسود و ہمام عن عائشہ قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ رواہ مسلم) عائشہ کہتی ہیں۔ کہ میں رسولخدا کی منی کپڑے سے رگڑتی تھی۔ امام شافعی کی والدہ ماجدہ کا خواب کتاب انسان العیون میں علی بن برہان الدین نے اس طرح نقل کیا ہے۔ (ان ام امامنا الشافعی رایت وھی حامل بہ ان النجم المسمے بالمشتری خرج من فرجھا) یعنے امام شافعی کی والدہ نے دیکھا کہ مشتری انکی فرج سے طالع ہوا۔ تاریخ بخاری میں ہے۔ کہ اسماء بنت ابی بکر نے جب عبداللہ بن زبیر اپنے فرزند کے قتل کی خبر سنی۔ تو فرط غم و الم سے بعمر نوے سالگی انکا خون حیض جاری ہوگیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اسماء نے مجمع عام میں اپنے فرزند پر ان الفاظ سے نوحہ کیا تھا۔ (رحمک اللہ یا عبداللہ لقد بکی علیک کلشئی فی جسمی حتی فرجی) اور بعض نسخوں میں (رحمی بکت علیک) بھی لکھا ہے۔ یعنے اے عبداللہ تیرے غم میں میرا ہر ایک جز و بدن روتا ہے۔ یہاں تک کہ میری فرج بھی روتی ہے۔ کتاب حبیب السیر میں ہے۔ (چون خبر قتل عبداللہ بہ مادرش رسید۔ باوجود آنکہ سنش از نود تجاوز کردہ بود حائض گشت) مسماۃ مذکور نے جو بجائے فرج کا ذکر کیا تھا۔ اس سے مراد اجرائے حیض تھا۔ کیونکہ یہ خون فرج ہی کی راہ سے آتا ہے۔ کتاب مولا میں بحوالہ بخاری و ابوداؤد لکھا ہے۔ (قالت عائشہ کان النبی اذا اراد ان یغتسل من الجنابۃ بدا فغسل یدیہ قبل ان یدخلھا الاناء ثم یغسل فرجہ) عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت غسل جنابت کا ارادہ کرتے تھے۔ تو پہلے ہاتھ دہوتے تھے جب برتن کو چھوتے تھے۔ ازاں بعد اپنی فرج کو دہوتے تھے۔

میں نے یہ چند مقام کتاب اللہ و کتب معتبرہ سنیہ سے دکھلائے۔ جن میں لفظ فرج درج تھا۔ مگر ہندوستان میں مرد کے عضو تناسل کو بہ لفظ ذکر بولنا بھی عیب جانتے ہیں۔ دوسرے لفظ بدلکر اس کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن عرب میں نہایت سادگی سے اسکو ذکر ہی بولتے ہیں۔ بخاری و مسلم اور دیگر صحاح اہل سنت سے ثبوت دکھلاتا ہوں۔ بخاری مسلم میں ہے۔ (عن قتادہ قال رسول اللہ اذا اتی الخلاء فلا یمس ذکرہ) مالک و ترمذی و ابوداؤد و نسائی میں بسرہ بن صفوان

سے روایت کرتے ہیں۔ (انہا قالت ان النبی قال من مس ذکرہ فلا یصلی حتی یتوضاء) یعنے پیغمبر نے فرمایا جو شخص مس کرے ذکر کو لازم ہے کہ بعد مس وضو کر کے نماز پڑھے۔ یہ تحریریں تو علمائے سابقین سنیہ کی تھیں۔ اب زمانہ حال کے ہندی نژاد علماء کی تحریریں بھی عرض کرتا ہوں۔ جناب مولوی محمد مبین فرنگی محلی کتاب وسیلتہ النجاۃ جو مطبع گلشن فیض لکھنؤ میں چھپی ہے۔ اس کے صفحہ ۲۰۶ سطر ۵ پر لکھتے ہیں۔ (مودت فاطمہ زہرا موجب مغفرت و دخول جنت است و بغض و عداوت او باعث عقوبت و دخول نار است۔ فرمود حبیب حق در حق وے) (ان فاطمۃ احفظت فرجہا فحرمہا اللہ و ذریتہا علے النار) یعنے فاطمہ نے اپنی فرج کی حفاظت کی۔ پس خدا نے اس پر اور اس کی ذریت پر آتش دوزخ کو حرام کیا ✦

نہ معلوم منظر صاحب خدا و موتفین بخاری و مسلم اور دیگر صحابہ و مولوی محمد مبین وغیرہ کو لفظ فرج لکھنے اور بیان کرنے سے کس درجہ بد تہذیب بتلائینگے۔ غالبا یہی وجہ فرمائینگے۔ کہ خدا کا ارشاد نہ تھا۔ حضرت عثمان نے بوقت درستی قران الیہا لکھ دیا۔ بخاری و مسلم نے بھی انتہائے سفاہت و رذالت سے بلا ارشاد نبیؐ از خود اپنی کتابوں میں یہ لفظ لکھ دیا۔ اور مولوی محمد مبین کی کتاب میں کسی جاہل سنی نے بید لفظ بڑھا دیا۔ تاریخ الخلفا مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر ایک رات شہر کا گشت لگا رہے تھے۔ ناگاہ سنا کہ ایک عورت اپنے شوہر کے فراق میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے۔ اور عالم شوق میں کہتی ہے۔ کہ اگر مجھے تیری آبرو ریزی کا خوف نہ ہوتا۔ تو مرتکب گناہ ہوتی تجسس سے معلوم ہوا کہ اس عورت کا شوہر لڑائی پر گیا ہوا ہے۔ حضرت عمر کو تجسس ہوا۔ کہ عورت کتنے عرصہ تک شوہر سے جدا رہ سکتی ہے۔ اس کی نسبت آپ نے اپنی دختر حفصہ سے دریافت کرنا چاہا کہ عورت کی فرج کتنے عرصہ میں بیتاب ہو جاتی ہے۔ منظر با تہذیب باپ کے سوال سے از روئے حیا گردن نیچی کر لی۔ خلیفہ صاحب نے کہا کہ حق بات کہنے سے حیا ب کیسا یہ سنکر صاحبزادی نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ تین ماہ یا چار ماہ۔ یہ معلوم کر کے خلیفہ نے روبکار لکھا دیا کہ چار ماہ سے زائد کسی سپاہی کو نہ روکا جائے۔

برابر رخصت دینی چاہیئے۔ نہ معلوم مظہر صاحب حضرت عمر کو صاحبزادی سے اشتیاق
زوج کا حال دریافت کرنے میں کس پایہ کا مہذب قرار دینگے۔ افسوس ہے کہ آپ
کتابیں نہیں دیکھتے۔ اور بے دیکھے اعتراض کرنے پر تل جاتے ہیں +

دلیل پنجم بہ ثبوت عقد منجانب مظہر

کافی میں بعد روایت مندرجہ صدر یہ روایت ہے :- (عن ہشام
بن سالم عن ابی عبد اللّٰہ قال لما خطب الیہ قال لہ امیر المومنین انہا
جبیۃ قال فلقی العباس فقال لہ مالی۔ ابی باس فقال ما ذاک قال
خطبت الی ابن اخیک فردنی اما واللّٰہ لاعودن زمزم ولا ادع لکم مکرمۃ
الا ھدمتہا ولاقیمن علیہ شاہدین بانہ سرق ولاقطعن یمینہ فاتاہ
العباس فاخبرہ وسالہ ان یجعل الامر الیہ فجعلہ الیہ) یعنے ہشام امام جعفر
صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ سے خطبہ کیا گیا تو حضرت
امیرؑ نے فرمایا کہ وہ خورد سال اور ناقابل ازدواج ہے۔ پس عمر نے عباس رضؓ سے کہا۔
کہ مجھ میں کیا برائی ہے جو علیؑ بر سر انکار ہیں۔ عباس رضؓ نے کہا کہ آپ میں کوئی
برائی نہیں۔ لیکن انہوں نے اسکو اپنے برادرزادہ سے منسوب کیا ہے۔ عمر نے
کہا کہ اس جگہ سے نسبت چھڑا کر مجھ سے کرا دیجیئے۔ ورنہ یاد رہے کہ سقایت
زمزم کا عہدہ تم سے چھین لونگا۔ اور جو تمہاری آبرو کیجاتی ہے وہ نہ رہے گی بلکہ
تمہاری عزت کی بنیاد کو منہدم کر دونگا۔ اور دو گواہ ایسے پیدا کرونگا جو تم پر شہادت
چوری کی دینگے۔ اسوقت لازمی طور پر دہنا ہاتھ کاٹ ڈالونگا۔ یہ خبر سنکر
عباس رضؓ گھبرائے ہوئے حضرت امیرؑ کے پاس آئے۔ کہ مجھ کو عمر نے سخت نقصان
رسانی اور تکلیف دہی کی دہمکی دی ہے۔ مجھے اختیار دیں۔ پس علیؑ نے اسکو
مختار کر دیا۔ منظر صاحب! جو اعتراض روایت بالا پر تھا۔ وہی اس پر موجود ہے
بلکہ یہ روایت بچند وجوہ قابل پذیرائی نہیں۔ اول یہ کہ روایت مستدلہ بالکل وہی ہے
جو کہ زبیر ابن بکار کاذب و مفتری و دشمن اہلبیت نبویؐ کے دماغ سے نکلی ہے
دوم یہ کہ اگر اسے صحیح بھی مانا جائے۔ تو سوائے دختر ابوبکر جو آنحضرتؐ کی ربیبہ
ہونے کے باعث بیٹی کہلاتی تھی۔ دختر صلبی جناب امیرؑ سے کسی طرح چسپاں

نہیں ہو سکتی ۔ روایت میں موجود ہے کہ حضرت امیرؑ نے عمر سے کہا کہ وہ لڑکی در واقعہ (صبیہ) ہے ۔ جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا کے بارے میں حسابی طریقہ سے ثابت کر چکا ہوں ۔ کہ وہ ہنگام شورش عمر یہ ۱۶ برس کی تھیں ۔ اور یہ عمر ایسی دکھائی گئی ہے کہ اسے تمام عالم باطل نہیں کر سکتا ۔ جو لڑکی پندرہ سولہ برس کی ہو ۔ اسے کوئی صبیہ کہہ نہیں سکتا ۔ اگر فی الواقع اس بالغہ و راشدہ کو جناب امیرؑ نے صبیہ کہا تو عمر کو غلط بیانی سے دھوکا دینا چاہا ۔ علاوہ بریں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر الزام آویگا ۔ کہ وہ اپنی جدہ ماجدہ حضرت ام کلثوم کے حالات سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے صبیہ کیوں فرمایا ۔ اندریں صورت حتماً و یقیناً یہی کہنا پڑے گا ۔ کہ اس روایت کو جناب امیرؑ کی صلبی دختر سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ۔ بلکہ اُسی دختر ابوبکر سے جو مثل فرزند کے پرورش پاتی تھی ۔ سوم یہ کہ مظہر صاحب ثبوت اتفاق و اتحاد دیتے ہوئے کیسا معقول ثبوت دے رہے ہیں جس میں یہ الفاظ صاف و روشن درج ہے ۔ کہ اے عباس اگر علیؑ نے میرے ساتھ شادی نہ کی ۔ تو تم سے سقایت زمزم جو تمہاری عزت و احترام کا باعث ہے ۔ چھین لونگا ۔ اور دو گواہ سرقہ کے بنا کر تمہارا داہنا ہاتھ کاٹ دونگا ۔ سبحان اللہ ۔ اہلبیت کے دوست ایسے ہوتے ہیں ۔ جہاں تک کاٹنے اور جیل بھیجنے کی ترکیب کرتے ہوں ۔ معلوم ہوا کہ خلافت مآب کو جھوٹا مقدمہ بنانے میں پوری دسترس گاہ تھی ۔ افسوس ہے کہ اہلسنت ایسے مقدمہ باز اور خود غرض کو فارق حق و باطل کہتے ہیں ۔ مظہر صاحب یہ خیال نہ کیجیے کہ نقصان رسائی کی دھمکی دینا شیعوں کی کتاب میں لکھا ہوا ہے ۔ بلکہ اہلسنت کی روایات مندرجہ سے بھی ہویدا ہے ۔

اب رہا یہ امر کہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ بار بار ام کلثوم بنت ابی بکر کو پیش کرتا ہے اور ثبوت نہیں دیتا ۔ لہٰذا مختصراً عرض کرتا ہوں ۔ کہ جب حضرت عمر پر بڑھاپے میں جوانی سوار ہوئی ۔ تو آپ کو شادی کی سوجھی ۔ حضرت عائشہ کو پیغام دیا ۔ کہ اپنی بہن ام کلثوم سے میرے سہرے کی کلیاں کھلوا دے ۔ بیچاری عائشہ ڈر گئی ۔ کہ یہ بلا نازل ہوئی کہاں ۔ یہ ننھی سی بچی اور کجا پانچ ہاتھ کا بیرنا بالغ ۔ سوچا کہ اگر انکار کرتی ہوں تو دس ہزار کا سالانہ جو ملتا ہے ۔ وہ بند ہو جائے گا ۔

ادنےٰ ادنےٰ باتوں میں جو میرے اجتہاد و روایات کا اقتدار کیا جاتا ہے۔ برباد
ہو کر بے وقاری ہو جائے گی۔ ناچار بصد کراہت منظور کر کے بلکہ اظہار بشاشت
کیا۔ اور در پردہ اس ادھیڑ بن میں رہی کہ کسی طرح یہ بیل منڈھے نہ چڑھے۔ عمر
سے مجھ کو حجاب نہ ہو اور کام بھی نکل آئے۔ عمر بن عاص جو حیلہ گری میں استاد
مانے ہوئے تھے۔ بلا کر کہا کہ بھیا جوڑ توڑ کرنا زمین و آسمان کے قلابے ملانا تمہاری
ذات میں داخل ہے۔ وارے گئی کسی طرح اس پرجوش بوڑھے کی آتش شوق پر
آب کلام کا چھینٹا ڈالکر اس ننھی جان کو بچاؤ۔ بچی نے جب سے یہ خبر سنی ہے۔
منہ ڈھانپے ہوئے پڑی ہے۔ اپنے آپ کو کوستی ہے کہ اگر ایسا عمل کیا گیا۔ تو قبر
رسولؐ پر جا کر فریاد کروں گی۔ بھلا تم اس اولاد رکھتے ہو۔ غور کرو جس وقت یہ
نادان ان کا ڈیل ڈول تن و توش دیکھے گی اور ہر وقت خشونت آمیز باتیں
سنے گی تو یقیناً بے موت مر جائے گی۔ میں امید رکھتی ہوں کہ اگر تم نے ایسی سعی و کوشش
کروگے تو یہ بلائے بے درماں ہم سے دفع ہو جائے گی۔ ورنہ تنگ آمد سخت آمد۔
جو قسمت کا لکھا ہے وہ ضرور پیش آئے گا۔

عمر عاص نے کہا واہ بولو جان۔ یہ کتنی بات ہے۔ آپ کی دعا سے وہ
فقرہ دوں۔ کہ بنا بنایا کام بگاڑ دوں۔

اگلے روز عمر عاص عمر کے پاس آئے۔ کہا۔ یہ کیا آفت برپا کر رکھی ہے ننھی سی
بٹیا کے پیچھے پڑے ہو۔ جب سے اس عاجزہ نے سنا ہے کہ چچا جان اس طرف
مائل ہو رہے ہیں۔ دانہ پانی تک چھوڑ دیا ہے۔ شدت خوف سے سوکھ کر کانٹا
ہو گئی ہے۔ کہاں وہ ہتو سی لڑکی۔ کہاں آپ ماشاء اللہ پورے جوان۔ وہ
نازو نعم کی پلی ہوئی پھولوں کے سیج پر لیٹنے والی۔ آواز کی برداشت نہیں کر سکتی
آپ کی ایک للکار سے روح پرواز کر جائے۔ اگر باہم مزاجوں میں ناموافقت
ہوئی۔ تو لوگ یہی کہینگے کہ یتیم بچی کی راہ باٹ ماردی۔ ابوبکر کی روح سے
ندامت ہوگی۔ کیا اس کے اتنے بھی حقوق نہیں کہ اس کی لڑکی کا خیال دل
سے ہٹا دو۔ افسوس کہ ابوبکر آپکو خلافت دے جاویں۔ کارخانہ خدائی کا مالک
بنا جاویں۔ اور آپ اسکا یہ بدلہ دیں۔ آخر الامر عمر عاص کے کہنے سے آپ ملنے

یہ خیال چھوڑ دیا۔ اس روایت کو اگر اخیر تک دیکھنا منظور ہو۔ تو شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی رجال مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۱۵ اور تاریخ کامل ابن اثیر کے جلد سوم صفحہ ۳۳ پر یہ مضمون مندرج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مگر اس کی تردید عرض کرتا ہوں۔ ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ کہ جس سال کا یہ واقعہ ہے۔ یعنی سنہ ۲۰ھ کا اس سال بلکہ اس کے ایک برس بعد تک عمر عاص افریقہ کی جنگ میں سپہدار تھے۔ اُن کا مدینہ میں آنا کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ ملاحظہ کیجئے تاریخ واقدی اعثم کوفی۔ روضۃ الصفا وغیرہ۔ یہ محض یاروں کی چالاکی ہے۔ تاکہ اس واقعہ کو ام کلثوم بنت علیؑ سے چسپاں کریں۔ ورنہ منکوحہ الاعلیٰ یہی ام کلثوم بنت ابی بکر ہے۔ ایسے مواقع پر جہاں تذلیل و توہین اہلبیت علیہم السلام منظور ہو۔ راویان مخالفین نے افترا اور جھوٹ سے پرہیز نہیں کیا (وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون)

دلیل ششم منجانب منظور در بارہ عقد

ملا محمد باقر مجلسی بحار الانوار میں بحوالہ کتاب خرائج الجرائح لکھتے ہیں

(عن عمر اذینہ قال قیل لابی عبد اللہ ان الناس یحتجون علینا ویقولون ان امیر المومنین زوج فلانا ابنتہ ام کلثوم وکان متکئا فجلس وقال یقولون ذالک ان قوما یزعمون ذالک لا یھتدون الی سواء السبیل اما کان یقدر امیر المومنین ان یحول بینہ وبینھا فینقذھا کذبوا ولم یکن ما قالوا ان فلانا خطب الی علی بنتہ ام کلثوم فابی علی فقال العباس واللہ لان لم تزوجنی لانزعن عن السقایۃ والزمزم فاتی العباس علیا فکلمہ فابی علیہ فالح العباس فلما رای امیر المومنین مشقۃ کلام الرجل علی العباس وانہ سیفعل بالسقایۃ ما قال ارسل امیر المومنین الی جنیۃ من اھل نجران یھودیۃ یقال لھا سحیفہ بنت جریریہ فامرھا فتمثلت بمثال ام کلثوم وحجبت الابصار عن ام کلثوم وبعث بھا الی الرجل فلم تزل عندہ حتی انہ استراب بھا یوما فقال ما فی الارض اھلبیت اسحر من بنی ھاشم ثم اراد ان یظھر ذالک

بالناس فقتل وحوت المیراث والصرفت الی نجران واظهر امیر المومنین تحتیہ السلام ام کلثوم۔ خلاصہ یہ ہے۔ ابن اذینہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت جعفر صادق کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ ہم پر لوگ معترض ہوتے ہیں۔ کہ حضرت امیرؑ نے عمر سے اپنی دختر کا عقد کر دیا۔ اسوقت امام تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سنکر اٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ کیا حضرت امیرؑ اس پر قادر نہ تھے۔ کہ اس عقد سے مانع ہوتے۔ اور اپنی لڑکی کو بچا لیتے۔ جو ایسا دعوے کرتے ہیں وہ دروغگو ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ جب عمر نے خواستگاری کی۔ تو آپ نے انکار کیا۔ اور ہرگز اسے قبول نہ کیا۔ پس عمر نے حضرت عباس سے کہا کہ اگر علیؑ نے ایسا نہ کیا۔ تو میں سقایت حاج کی خدمت تم سے چھین لونگا۔ اور چاہ زمزم تمہارے قبضہ سے نکال لونگا۔ عباسؓ نے یہ حضرت کو سنایا۔ اور اس میں گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ اس پر عباس نے الحاح و اصرار کو طول دیا۔ حضرت نے بخوف اتلاف حقوق عباسؓ ایک عورت جنیہ کو جو بصورت انسان متشکل ہوکر نجران میں یہودیہ عورتوں کے ہمراہ رہتی تھی۔ اور مذہب یہود اختیار کیا ہوا تھا۔ اس کا نام سحیفہ تھا اسے بلایا۔ وہ حاضر ہوئی۔ تو اسے حکم دیا کہ وہ ام کلثوم کی شکل پر متشکل ہوئی اور حضرت ام کلثوم کو لوگوں کی نگاہ سے چھپا دیا۔ اور اس جنیہ کو عمر کے حوالہ کیا۔ وہ عرصہ تک عمر کے ہمراہ رہی۔ ایک روز بعض قرائن سے عمر نے معلوم کیا۔ کہ وہ انسان نہیں۔ اسوقت کہنے لگا۔ کہ بنی ہاشم سے زیادہ کوئی ساحر نہیں۔ اور چاہا کہ اس راز کو لوگوں سے کہے۔ کہ ناگہاں وہ قتل ہوا۔ اور جنیہ میراث لیکر نجران کو واپس چلی گئی ۔

اس واقعہ پر منظر صاحب بڑا مذاق اڑاتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ بہر حال نکاح تو ثابت ہے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ منظر صاحب اپنے یہاں کی روایات اور مخترعات سے آگاہ نہیں۔ ہمارے یہاں تو حدیث کی کتابیں صحیح نہیں۔ بسا اوقات ایک دوسرے کے برخلاف ہیں۔ اسی روایت کو دیکھئے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا۔ ایسا ہرگز واقعہ نہیں ہوا۔ اور جو اس پر اعتقاد

بہ کھے وہ بُرا کرتا ہے۔ اور اس واقعہ کا راوی دروغگو ہے۔ یہ روایت ہمارے یہاں معتمد و مستند نہیں۔ مگر کچھ تھوڑا سا حال آپ کی روایات محدثین اہلسنت کا دکھاتا ہوں مگر افسوس یہ ہے کہ آپ عجیب دل و دماغ کے انسان ہیں۔ الفت و محبت ثابت کرتے ہوئے دشمنی اور اختلاف جتلائے جاتے ہیں۔ اور پھر دعوے یہ کہ یہ عقد محبت فریقین کو ثابت کر رہا ہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

اب ذرا گھر کا حال سنئے۔ اور پھر شوق سے اعتراض فرمائیے۔ مظہر صاحب! جنیہ کا بشکل انسان متشکل ہونا بعید الخیال امر نہیں ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ معاویہ بن عمر سے مروی ہے وہ لکھتے ہیں۔ میں نے حضرت صادقؑ سے در باب اولاد آدم علیہ السلام سوال کیا۔ کہ ان کی اولاد ذکور اپنی بہنوں سے بیاہی جاتی تھی یا کیا؟ بجواب حضرت نے فرمایا۔ کہ معاذ اللہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ بہن بھائی سے بیاہی جائے۔ اصل یہ ہے کہ جب "قابیل بلوغ کو پہنچا تو خداوند تبارک نے ایک جنیہ ان کی زوجیت کے لئے بھیجی۔ جس نے بہ لباس انسانی ان کے فرائض پورے کئے۔ ان کا نام جمانہ تھا جب ہابیل بالغ ہوئے۔ تو ان کے لئے ایک حوریہ بھیجی گئی۔ قابیل نے اپنے باپ سے شکایت کی کہ مجھ کو جنیہ آئی اور چھوٹے بھائی کو حوریہ۔ آپ نے مجھ پر ہابیل کو فضیلت دی۔ الی آخرہ۔ بنظر تسکین عبارت مندرجہ تفسیر ثعلبی کے ایک دو جملے لکھے دیتا ہوں۔ (ان معاویہ بن عمار قال سئلت الصادق عن آدم اکان یزوج بناتہ من بنیہ فقال معاذ اللہ الی آخرہ)

اگر جنیہ کا بہ لباس انسان ہونا دور از خیال ہے۔ تو خدا نے ایک دفعہ جنیہ اور پھر حوریہ کو کیوں آدمی بنا کر بھیجا۔ چونکہ یہ مضمون اکابر مفسرین اہلسنت کا ہے بنظر التعمق اس پر غور فرمائیں۔ کتاب الاکتفاء اور ریاض النضرہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر و شیطان سے کشتی ہوئی۔ عمر نے اسے زمین پر دے پٹکا۔ اس دن سے ایسا خوف اس پر غالب ہوا۔ کہ ان کے سایہ سے بھاگنے لگا۔ کتاب استقصاء الافہام جلد اول کے صفحہ ۷۸ پر کتب مذکورہ سے یہ قصہ واہی نقل ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں بمقام فضیلت آیۃ الکرسی لکھا ہے۔ کہ ابوہریرہ

کو چند باتیں شیطان نے تعلیم کیں۔ عمر سے جب کشتی لڑنے شیطان آیا ہوگا۔ ضرور ہے کہ اُس نے انسانی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہو۔ اور ابو ہریرہ کو جب تعلیم دینے آئے ہونگے۔ اُس وقت ضرور جُبہ و دستار پہنکر بہ شکل آدمی ظاہر ہوا ہوگا۔ کیونکہ قرآن مجید میں اس کی نسبت ارشاد ہے۔ (کان من الجنہ) یعنے شیطان از قسم اجنہ ہے۔ جس طرح یہ جن مبتدل بہ شکل انسان ہو کر عمر کا مد مقابل اور ابو ہریرہ کا استاد ہوا۔ ممکن ہے کہ اسی طرح وہ جنیبہ جو ہم جنس ابلیس تھی جامہ انسانیت میں آگئی ہو۔ محی الدین اعرابی کی ایک سالہ دختر نے ان مسائل مشکلہ کا جواب دیا۔ کہ جن کے حل کرنے میں عمر جیسے عالم اور مجتہد کو پاچہ دستی تھی اس لڑکی کی نسبت لکھا ہے۔ کہ جس زمانہ میں وہ استراحت فرمائے شکم مادر تھی ان کی والدہ کو چھینک آئی۔ حسب قاعدہ اُس وقت اس نے الحمد للہ کہا۔ پیٹ میں سے صاحبزادی نے یرحمک اللہ کہا۔ جسے تمام حاضرین نے سُنا۔ مختصر فتوحات مکیہ وخود فتوحات شعرانی وسیرۃ حلبیہ و استقصاء الافقام کے صفحہ ۵۲۲ پر مضمون نقل کیا گیا ہے۔ شیخ نجم الدین جو عند السنیہ علمائے و اولیائے کاملین سے ہیں۔ بلکہ سرتاج الاولیا مانے ہوئے ہیں۔ ان کی نسبت یہ اعتراض کیا جاتا تھا۔ کہ وہ زیارت رسولؐ کے شرف سے محروم رہے۔ مولوی عبد الحی فرنگی محل لکھنوی رسالہ سعی مشکور کے صفحہ ۲۴۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ شیخ کی نسبت عدم بجا آوری زیارت کا طعن غلط کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا مدینہ رسول میں تشریف لے جانا ثابت ہے۔ بطریق سفر ظاہری نہیں بلکہ ہوائے اس کا منکر سوائے اس کے کہ کرامات اولیا کا انکار کرے۔ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ امام یافعی شیخ صاحب کے حالات میں رقمطراز ہیں۔ کہ وہ مکہ سے کبھی باہر نہیں گئے۔ مگر بباطن مدینہ منورہ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ محمد بغدادی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں قبر نبیؐ کی زیارت سے واپس آتا ہوا دل میں سوچتا تھا۔ کہ شیخ ایسا جلیل القدر حق آگاہ آنحضرتؐ کی زیارت کے لئے کیوں نہیں جاتا۔ معاً اس خیال کے میرا سر آسمان کی طرف بلند ہوا دیکھا۔ کہ شیخ صاحب ہوائی گھوڑے پر فراٹے سے جا رہے ہیں۔ مجھ کو آواز دی۔ اے محمد! یوں

جایا کرتے ہیں۔ سوائے ازیں اور چند کلمات کہے جو میں بھول گیا۔

علاوہ ازیں کتاب غوثیہ میں حضرت پیران پیر کی نسبت صدہا ایسی حکایات تعجب خیز لکھی ہوئی ہیں جن کو پڑھ کر عقل چکر کھا جائے۔ ازانجملہ ایک یہ ہے کہ غوث الاعظم کی ملاقات ملک الموت سے ہوئی۔ ان کے پاس ایک تھیلی تھی حضرت نے پوچھا یہ کیا ہے۔ اُس نے کہا یہ تھیلی ہے۔ جتنے ارواح قبض کرتا ہوں وہ اس میں ڈال لیتا ہوں۔ پیر صاحب نے وہ تھیلی چھین کر کھولدی تمام ارواحیں پھڑ پھڑا کر اڑ گیئں۔ ملک الموت حیرت زدہ ہو کر منہ تکتے رہ گیے۔ صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السلام نے قبض روح کے جھگڑے میں عزرائیل علیہ السلام کے اس زور سے طمانچہ مارا کہ ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ جب یک چشم ہو گیے۔ تب خدا سے شکایت کی۔ اللہ میاں نے دوسری آنکھ چڑھا دی۔ شاید یہ مصنوعی آنکھ چڑھانے کی ترکیب اللہ میاں سے اس کے موجد نے حاصل کی۔ مگر افسوس کہ بعبارت کا نسخہ اللہ میاں نے نہیں بتایا۔ یا شاید حضرت اسمٰعیل کی بھی مصنوعی آنکھ ہو۔ اور وہ دوست دشمن کو ایک نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ صحیح بخاری مطبوعہ بمبئی جلد چہارم صفحہ ۸۳ باب القسامہ فی الجاہلیہ میں نعیم بن حماد ہشیم سے وہ حصین سے وہ عمرو بن میموں سے ناقل ہے۔ کہ ہم نے بزمانہ جاہلیت دیکھا کہ ایک بندریا پر چند بندر مجتمع ہیں اور اس بندریا سے جماع کیا۔ لوگوں نے اس پر رجم کیا۔ ہم نے بھی ان کی معیت میں سنگسار کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی جلد مناقب و مغازی صفحہ ۱۳۲ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے اس قصہ عمر بن میموں پر سخت اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ ایک تو اس میں نسبت زنا ہے غیر مکلف سے۔ دوسرے یہ ذکر ہے کہ حد شرعیہ جاری ہوئی بہائم و حیوانات پر۔ حالانکہ یہ امور علم کے نزدیک منکر و قبیح ہیں۔ اور کہا ابن عبدالبر نے اگر اس روایت کے طرق صحیح ہوں۔ تو یہ بندریا و بندر از قسم جنات ہونگے جو مکلفین سے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ قول ابن البر در بارہ عدم صحت روایت بر بنیاد طریق اسمٰعیلی ہے۔ اور اعتراضات کا یہ جواب ہے۔ کہ اس واقعہ کو بصورت زنا واقع ہونے اور رجم ہونے سے یہ مراد

نہیں۔ کہ حقیقۃ الاصل زنا اور رجم ہوا۔ بلکہ ممکن ہے کہ چونکہ یہ واقعہ بصورت زنا ورجم تھا۔ اسوجہ سے زنا ورجم کا اس پر اطلاق ہوا۔ پس وہ اعتراض بالکل جاتا رہا۔ کہ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ احکام شرعیہ حیوانات پر جاری ہیں۔ حمیدی کہتے ہیں کہ اگر بقول اسمعیلی یہ مانا جائے۔ کہ اس روایت کو صحیح بخاری میں کسی نے زیادہ کر دیا ہے۔ یہ قول اجماع علما کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ کہ جس قدر روایات صحیح بخاری میں ہیں وہ سب درست ہیں اور ان کی نسبت بخاری کی طرف قطعی اور یقینی ہے۔ پس قول اسمٰعیلی تخیل فاسد ہے۔ جس سے لازم آتا ہے کہ صحیح بخاری کی کسی روایت پر وثوق واعتماد نہ رہے۔ کیونکہ جب ایک حدیث میں یہ امر جائز ہوا۔ تو ہر ہر حدیث میں یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ پس کسی کو وثوق نہ رہیگا۔ حالانکہ اتفاق علماء اس کی صحت پر ہے۔ اور جس طریق سے بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اسپر وہ اعتراض عبدالبر جو اسمٰعیل کے طرق پر ہے۔ وارد نہیں ہو سکتا۔ اور ہم نے اس مقام میں اس وجہ سے طول دیا۔ کہ کوئی ضعیف الرائے کلام حمیدی سے فریب نہ کھائے۔ اور اس پر اعتماد نہ کرے۔ جو ظاہر الفساد ہے۔ تمام ہوا ترجمہ عبارت فتح الباری۔

اب کسی امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر البتہ اتنا کہنا ضروری ہے۔ کہ بالفرض وہ بندرو بندریا جنہ تھے۔ اور احکام شرعیہ ان پر جاری تھے۔ ان سے دریافت کرنا ضروری تھا کہ وہ کس امام کے مقلد ہیں۔ یا مجتہد جنہ رجم کرتے۔ کیونکہ وہ شاید مقلد یا امام ان کے ہوں جن کے نزدیک عموماً فرج حلال ہے۔ کیونکہ ملا علی قاری رسالہ رد امام الحرمین میں فرماتے ہیں۔ کہ جزری اور ابن عبدالسلام اور سبکی ناقل ہیں کہ محی الدین عربی عالم کو قدیم جانتا تھا۔ اور فروج بنی آدم کو حلال۔ جس سے حلت فروج ان کے مریدوں کی غیر مریدین کے لئے بجلائے منتہ نمایاں ہے۔ شاید وہ بندرو بندریا یا خباثت اہلسنت کے اس ولی اللہ کے مقلد یا امام ہوں۔ بہر کیف جب اعاظم اہلسنت اس خیال سے کہ صحیح بخاری کی روایت غلط نہ ہو جائے این

بندر و بندریا کے قصہ میں یہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ شاید وہ اجنہ ہوں۔ اسوجہ سے ان پر احکام شرعیہ کا اجرا ہوا۔ تو اگر ہمارے یہاں بھی اس سے اعظم مطالب کے لئے کسی واقعہ میں بشرط صحت، سند بطور فرض وتسلیم ذکر جنات کریں اور جنیہ کہیں۔ تو مظہر صاحب کیونکر استبعاد فرمائیں گے۔ خصوصاً درصورتیکہ نسبت، اس امر کی اس طرف اور اس شخص سے ہو۔ جو اہلسنت کے نزدیک بھی حاکم جن والنس اور باعث ایجاد خلق ہے۔ چنانچہ شواہد النبوہ ملا جامی اس کی شاہد ہے۔ فقط الحمدللہ کہ بحث عقد ام کلثوم نہایت متانت اور رزانت سے تمام ہوئی۔ انشاءاللہ اب مظہر صاحب، اگر چشم بصیرت سے دیکھینگے اور ذرا سوچ وغور سے کام لینگے۔ تو آیندہ اس واہی قصہ کو مذہب حقہ کے سامنے پیش نہ کریں گے۔

اب رہا عقد بنات النبی۔ سو انشاءاللہ اسے نہایت مختصر طریقہ سے حل کئے دیتا ہوں۔ اور دکھا دیتا ہوں۔ کہ یہ صاحبزادیاں حضرت رسولخدا کے صلب سے نہ تھیں۔ اور ان سے شادی ہونے سے حضرت عثمان کو کوئی فخر وعزت حاصل نہیں۔

فصل

مظہر صاحب کی دوسری چیستاں پر تنقیدی نظر

مسٹر مظہر نے احتجاج طوسی علیہ الرحمہ وحیات القلوب علامہ مجلسی سے ایک دو اقوال نقل کر کے اپنی طرف سے بڑی بہادری کا اظہار فرمایا ہے آپ لکھتے ہیں کہ حضرات شیعہ اس قدر برا کہنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ کہ کسی سے بھی نہیں چوکتے۔ چنانچہ علامہ مجلسی سے آپ دو اقوال نقل کرتے ہیں۔ اور ایک قول علامہ طبرسی علیہ الرحمہ کا احتجاج سے لکھ کر اس شعر کو

مصداق فروۃ حقہ قرار دیتے ہیں ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

کہیں الخبیثات للخبیثین الی آخرہ پر استدلال فرماتے ہیں۔ دیکھو قران السعدین مولفہ سید مظہر حسین۔ مگر افسوس اس امر کا ہے۔ کہ میدان مناظرہ میں کیسے کیسے بزرگوار لنگوٹ باندھ کر کودتے پھاندتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ان کا نام نامی بھی پانچویں سواروں میں لکھا جائے۔ نہ معلوم آپ نے کہاں سے اٹھا کر یہ عبارت نقل کردی ہے۔ حالانکہ جس قول کو علامہ طبری سے منسوب کرتے ہیں۔ اُسے علامہ طبری علیہ الرحمہ نے اس طرح نقل کیا ہے۔ کہ سدیر از حضرت امام محمد باقرؑ پرسید کہ کجا بود عزت و شوکت و کثرت بنی ہاشم کہ حضرت امیر المومنینؑ بعد از حضرت رسالتؐ از ابوبکر و عمر و سائر منافقان مغلوب گردید۔ حضرت فرمود کہ از بنی ہاشم کے ماندہ بود جعفر و حمزہ کہ در غایت ایمان و یقین و از سابقین اولین بودند بعالم بقا رحلت کردہ بودند۔ و دو مرد ضعیف الیقین ذلیل النفس بودند کہ تازہ مسلمان شدہ بودند عباس و عقیل و ایشانرا در جنگ بدر اسیر کردند و آزاد کردند و ایمان چنین قوتے نمیداد و بخدا سوگند کہ اگر حمزہ و جعفر حاضر مے بودند دراں فتنہ ابوبکر و عمر یارائے آن نداشتند کہ حق امیر المومنین را غصب کنند و اگر سعی میکردند البتہ ایشانرا می کشتند۔ و مثل ایں حدیث در احتجاج از امیر المومنین مروی ست۔ اور ایک قول نسبت حضرت عبداللہ بن عباس بھی حیات القلوب سے نقل کیا ہے۔ جسے آپ تمام حیات القلوب کو دیکھ جائیے۔ اگر مل جائے تو میرا ذمہ۔

اب رہا یہ امر کہ نسبت حضرت عباس و حضرت عقیل جو کچھ جناب امیرؑ سے نقل ہوا ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ حضرت امیرؑ ان صورتوں کی نسبت ضعیف الیقین و ذلیل النفس کا فقرہ استعمال فرماتے ہیں۔ اکثر کتب تواریخ میں مندرج ہے کہ جناب سرور عالمؐ نے حضرت عباس سے قریب بہ رحلت فرمایا۔ کہ اے چچا تم میرے قرض وغیرہ کا ذمہ اٹھاتے ہو۔ آپ نے

عرض کیا۔ میں ضعیف انسان ہوں۔ مجھ سے یہ بوجھ برداشت نہیں ہو سکتے
پھر آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے خطاب فرمایا۔ آپ نے عرض
کی۔ مجھے آپ کے تمام احکام بدل وجان منظور ہیں۔ پس جو شخص باوجود
ثروت وطاقت اپنے برادر زادے اور وہ بھی کیسا برادر زادہ کہ فخر انبیا اور
خاتم المرسلین ہو۔ اس کے قرضہ کے ادا کرنے سے انکار کرے۔ اگر اسے
ذلیل النفس اور ضعیف الیقین نہ کہا جائے۔ تو کیا کہا جائے۔ رہے عقیل۔ یہ وہ
بزرگوار ہیں کہ بہ زمانِ خلافت جناب امیر علیہ السلام حضرت امیرؑ کو چھوڑ کر
بمقام شام معاویہ کے پاس چلے گئے۔ کیونکہ یہاں پر آپ کی کسی طرح کی
رعایت مدنظر نہ تھی۔ تمام مسلمانوں کے برابر آپ کو حصہ ملتا تھا۔ اور وہاں
پر آپ کو ہزاروں بلکہ لاکھوں کا فائدہ تھا۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے۔ کہ
ایک دفعہ آپ نے معاویہ سے کہا کہ مجھے ستر ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ اس نے
کہا کہ آپ کیا کریں گے۔ آپ نے کہا ایک جاریہ ہے اسے خریدوں گا معاویہ
نے کہا آپ نابینا ہیں کیا ضرورت ہے کہ اس قدر قیمت کی کنیز خریدیں
آخرالامر بہت گفتگو کے بعد معاویہ نے آپ کی خواہش کے مطابق ستر ہزار
درہم دیئے۔ اور کہا۔ کہ اے عقیل۔ بتلاؤ تمہاری نسبت علیؑ زیادہ مہربان
ہیں یا میں؟ عقیل نے جواب میں کہا۔ امیرالمومنین مال بیت المال کو مسلمین کا
مال جانتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو امین۔ اور تو بیت المال کے مال کو اپنی
والدہ کا مہر تصور کئے ہوئے ہے۔ یہ کہا اور رو دیئے۔

پس اب آپ خود انصاف فرماویں۔ کہ حضرت حمزہ سید الشہداء اور
حضرت جعفر طیار کے مقابل اگر ان کو ضعیف الیقین اور ذلیل النفس
کہا گیا۔ تو کونسی برائی ہے۔ رہے عبداللہ بن عباس۔ آپ نے تمام مال
بیت المال بصرہ اٹھا کر بصرہ سے چل دیئے۔ دیکھو تاریخ طبری و روضۃ الصفا
وغیرہ۔ البتہ اگر جناب امیر علیہ السلام ان کی نسبت کوئی ایسا فقرہ جس سے
ان کا خارج الایمان یا مائل بہ کفر ہونا فرماتے۔ تو کوئی بات بھی تھی۔ جیسا کہ
حضرت ابوبکر کو جناب سرور عالمؐ نے فرمایا۔ الشرک اخفیٰ فیکم من دبیب النمل

یعنے شرک تم میں چیونٹی کی چال کی طرح چھپا ہوا ہے۔ یا جیسا کہ حضرت عمر نے کہا۔ کہ یا علیؑ آپ مجھے اور ابوبکر کو غادر۔ خائن اور آثم جانتے ہیں۔ دیکھو صحیح مسلم و ازالۃ الخفا وغیرہ یا جیسے خود حضرت عمر نے بجواب حضرت حذیفہ جنہیں علم منافقین حاصل تھا کہا۔ باللّٰہ یا حذیفہ انا من المنافقین دیکھو مصباح حصہ دوم +

اب رہا یہ امر کہ اس عقد میں حضرت عباس کو دخل تھا یا نہیں۔ فرقہ حقہ امامیہ تو سرے سے ہی اس عقد کے وقوع کے منکر ہیں۔ جتنی روایات اس بارے میں نقل ہوئیں۔ ان تمام کے راوی آپ کے گرو گھنٹال بزرگوار ہیں۔ جن کا کام ہی یہ تھا۔ کہ جہاں تک ہو سکے حضرات اہلبیت طہارت کی تذلیل وتحقیر کی جائے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے +

اب رہا آیہ مجیدہ الخبیثات للخبیثین الے آخرہ۔ یہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ چونکہ حضرت عمر کی طہارت نسبی و مصباح الہدایت حصہ اول و دوم میں آپ کی روایات سے کالشمس فی نصف النہار ظاہر و باہر کر چکا ہوں یہی وجہ ہے کہ ایسے عقد کا واقعہ ہونا محالات سے یقین کیا گیا ہے۔ تبھی تو ہمارے تمام علمائے حقہ و ائمہ اہلبیت علیہم السلام کو اس عقد سے انکار رہا ہے۔ اور نہ عقل سلیم باور کر سکتی ہے۔ کہ ایک طیبہ و طاہرہ کا عقد ایک پرانے اور مسلمہ . . . . . سے وقوع پذیر ہو +

الحمد للّٰہ مٹے احسانہ کہ بمدد ائمہ اطہار علیہم الصلوٰۃ والسلام بحث عقد ام کلثوم سلام اللّٰہ علیہا نہایت عمدہ اور اعلےٰ طریق سے معرض تحریر میں آ گئی ہے۔ امید ہے کہ صاحبان عقل و فہم آئندہ اس جھوٹے اور مصنوعی عقد کو فرقہ حقہ کے مقابل میں استدلالاً پیش نہ کرینگے۔ رہے وہ حضرات جو بمصداق (ختم اللّٰہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ) ہیں۔ ان کا کیا کہنا وہ تو لکیر کے فقیر ہیں۔ مگر مجھے اس امر کا تعجب ہے۔ کہ بھلا زمانہ امویہ و عباسیہ میں ایسے دشمنان اہلبیت علیہم السلام کو جھوٹ اور افترا بنانے کے عوض ہزاروں بلکہ لاکھوں کی منفعت تھی۔ مگر آجکل تو سوائے طوق لعنت

کچھ ملتا نہیں۔ خیر ہمیں اس سے کیا بحث حشر غلامان علیؑ با علیؑ حشر غلامان عمر با عمر مگر اتماماً للحجت اسلامی بھائی سمجھ کر ایک اور ثبوت اس امر کا پیش کرتا ہوں۔ کہ اس روایت کی رواۃ نے محض مئے محبت عمریہ سے سرشار ہو کر بڑ ہانک دی ہے ورنہ اس کی اصلیت کچھ نہیں۔ چنانچہ تمام تحقیقات کے بعد مسئلہ زیر بحث پر امام ابن ماجہ اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جو رائے قائم کی ہے۔ وہ یہ ہے:۔

(اعلم انّ المسماۃ بام کلثوم اثنتان احدیہما ام کلثوم بنت الراھب وثانیہما ام کلثوم بنت علیؑ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فوقعت نکاح ام کلثوم بنت علیؑ مع محمد ابن جعفرؓ طیار ووقعت نکاح ام کلثوم بنت الراھب مع عمر ابن الخطاب) یعنے جاننا چاہیئے۔ کہ ام کلثوم دو تھیں۔ ایک ام کلثوم راہب کی دختر دوسری ام کلثوم بنت علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہ' ام کلثوم بنت علیؑ کا نکاح محمدؐ ابن جعفرؓ طیار سے ہوا۔ اور ام کلثوم بنت راہب کا نکاح عمر ابن خطاب سے +

لیجئے اب تو آپ کا اطمینان ہوا۔ کہ آپ کے دو بڑے پایہ کے محدثین جن کی سنن صحاح میں محسوب ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ شرم۔ شرم۔ شرم

ہر کہ با آلِ نبیؐ درافتاد برافتاد

باب ہفتم

در انکشاف حالات بنت النبیؐ

ما بین شیعہ وسنی قدیم الایام سے یہ واقعہ زیر بحث ہے۔ حضرات امامیہ جناب فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کو حضرت رسالت پناہی کی اکلوتی صاحبزادی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا مختار ہے کہ حضرات زینب۔ رقیہ ام کلثوم آنحضرت کی ربیبہ تھیں۔ یا حضرت خدیجہؑ کی ہمشیرہ ہالہؓ کی لڑکیاں تھیں۔ چونکہ

عرف عرب میں ربائب بھی اپنی صلبی اولاد کی طرح سمجھی جاتی ہیں اس لئے یہ مخدرات بھی مجازاً و اصطلاحاً آنحضرت صلعم کی صاحبزادیاں کہلائیں۔ فرقہ سنیہ کے اعتقادات میں یہ چاروں حضرت رسول صلعم کی صلبی لڑکیاں ہیں۔ اور سب کی سب حضرت خدیجہ رض کے بطن سے جس کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سب سے بڑی زینب رض پھر رقیہ رض پھر ام کلثوم رض پھر جناب سیدۃ النساء العالمین صلواۃ اللہ علیہا۔ زینب رض ابو العاص کے بیٹے سے بیاہی گئیں۔ رقیہ رض اور ام کلثوم رض عتبہ و عتیبہ پسران ابو لہب سے بیاہی گئیں۔ عتبہ کے مر گئے اور عتیبہ کے طلاق دینے کے بعد یکے بعد دیگرے عثمان بن عفان خلیفہ سوم نامی و منظہر کے عقد میں آئیں۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقد جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ہوا۔ اس واقعہ زیر بحث کو بپاس خاطر نامی و منظہر انشاء اللہ عقلی و نقلی ہر دو طرق سے محققانہ لکھونگا۔ تاکہ ہمارے مخاطب صاحبان کے مایۂ ناز مبحث کی اصلیت ہر کہ ومہ پر ظاہر ہو جائے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمیں ایسے اصحاب کے مقابل قلم اٹھانا پڑا ہے۔ جنہیں نہ کتب مناظرہ پر عبور نہ تاریخ و سیر سے واقفیت۔ اگرچہ یہ واقعہ کچھ شان نہیں رکھتا۔ اور نہ اس سے عثمان کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تو خود اُن کا مسلّمہ متنازہ ہے۔ کہ یہ دونو صاحبزادیاں عثمان سے پہلے ابولہب جیسے دشمن خدا و رسول صلعم کے لڑکوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اگر کچھ فخر ہو تو ابولہب کے بیٹوں کو ہونا چاہیئے۔ کیونکہ پہلے ان سے شادی ہوئی۔ پھر بیوہ اور مطلقہ ہونے کے بعد آپ کے عثمان کے نکاح میں آئیں۔ مگر کیا کیا جائے۔ سواد اعظم کی اکثریت جولاہے کونجڑے۔ بقال قصائی۔ ڈوری باف نوگر میراسی حضرات سے ہے۔ انہیں سنا کر کہا جاتا ہے۔ کہ داماد ہونے سے حضرت علی ع کی کیا فضیلت ہے۔ دیکھو عثمان ڈبل داماد ہونے کے سبب ذوالنورین کے خطاب یافتہ ہیں۔ ان بھلے مانسوں سے

کوئی پوچھے اور سوال کرے کہ تم کو عثمان کے روح کی قسم عتبہ اور عتیبہ پسران ابولہب کو آپ ذوالنورمان لیں۔ خیر اس سے کیا مطلب اصل واقعہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ چونکہ اس واقعہ کا زیادہ تر تعلق منقولات سے ہے۔ اس لئے روایات معتبرہ فریقین جہاں تک اس واقعہ کے متعلق ملی ہیں۔ وہ پہلے بیان کرتا ہوں۔ اس واقعے کے محققین کو جس بات کی تلاش پہلے ضروری بات ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی اولاد کی صحیح تعداد کا علم ہے جو یہ وہ ہے کہ آپ کی جمیع اولاد ذکور و اناث کی تعداد چار تھی۔ تین لڑکے اور ایک صاحبزادی سب سے بڑے قاسم طیب پھر عبداللہ طاہر حضرت خدیجہؓ کے بطن سے یہ ہر دو صاحبزادے جناب فاطمہؑ سے بڑے تھے۔ اور ایام رضاعت میں جناب فاطمہؑ سے پہلے انتقال فرما گئے تھے۔ انکے بعد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضرت فاطمہ زہراؑ پیدا ہوئیں۔ آپکے تیسرے صاحبزادے ابراہیمؑ نام حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ چھ ماہ یا کچھ کم و زیادہ زندہ رہے۔ ان ہر چہار اولادوں میں سے بجز حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آپ کی کوئی صلبی اولاد زندہ نہیں رہی۔ اہلسنت کے نزدیک آنحضرتؐ کی تعیین اولاد کے متعلق ایک عظیم فساد اور شدید اختلاف واقع ہے۔ نمونہ کے طور پر شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی وہ تحریر جو مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۳۳۵ میں لکھی ہوئی ہے۔ قلمبند کرتا ہوں :—

بدانکہ جملہ آنچہ برایشان اتفاق کردہ شدہ است ششش اند دو پسر قاسم و ابراہیم چہار دختر۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثومؓ و فاطمہؑ در غیر ایشاں اختلاف است۔ بعض طیب و طاہر را نیز شمردہ اند۔ پس جملہ ہشت باشد چار ذکور و چہار اناث و بعضے گویند کہ غیر ابراہیم و قاسم و عبداللہ است کہ بہ مکۂ مطیبہ صغیر از دنیا

م فریقین کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شیعہ کا مختار اولادِ آنحضرتؐ ہی ہے۔

زفت وطیب وطاہر لقب اوست بجہت تولد او در عہد اسلام واکثر اہل علم انساب برایں اند و دارقطنی گفت ایں قول اثبت است۔ پس مجموع ہفت باشد سہ ذکور و چہار اناث آنچہ مشہور است دریں مقام و بزبان ہا میگردد ایں کلام است و در مواہب لدنیہ از دارقطنی حکایت کردہ کہ طیب و طاہر غیر عبد اللہ اند پس ذکور پنج تن و مجموع نہ و از بعض مردم نقل کردہ شدہ است کہ طیب و مطیب از یک شکم مولود اند۔ و طاہر و مطہر از یک شکم دیگر ذکر کردہ است۔ ایں قول را صاحب صفوۃ پس ہمہ یازدہ باشند و بعضے نقل کردہ اند کہ زائیدہ شد برائے آنحضرت پیش از بعثت پسرے کہ نام کرد اورا عبد مناف۔ پس مجموع دوازدہ تن باشند کہ ہم زائیدہ شدہ اند در اسلام غیر عبد مناف و گفتہ است ابن اسحاق کہ زائیدہ شدہ اند غیر ابراہیمؑ پیش از اسلام و وفات یافتند در حالت رضاع و گذشت از قول غیر او کہ عبد اللہ بعد نبوت مولود شدہ ازیں جہت نامیدہ شد طیب و طاہر پس حاصل شد از جمیع اقوال ہشت ذکور کہ از انجملہ متفق علیہ قاسم و ابراہیمؑ و شش مختلف فیہ عبد مناف۔ عبد اللہ طیب۔ مطیب۔ طاہر۔ مطہر۔ و اصح آنست کہ سہ ذکور قاسم۔ ابراہیم و عبد اللہ و چہار اناث وہمہ اولاد خدیجہؓ بنت خویلد غیر ابراہیمؑ (وذکر ہذا کلہ فی المواہب ولا یخلو عن الغرابۃ) اس تعداد اولاد کے اتنے طومار کے بعد بھی اس سلسلہ کا تار نہیں ٹوٹا۔ اسی کے متعلق اپنے علماء کی قیاسی اور وہمی تحقیقات کی ایک اور مضحکہ خیز اور نہایت عبرت انگیز مثال مشاہدہ فرمایئے۔ اصابہ فی معرفت الصحابہ جلد ہشتم صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے۔

برکۃ بنت النبی ذکرہا بعض من جمع رجال العمدۃ للحافظ عبد الغنی فاورد فی الکتاب شیئاً من الترجمۃ النبویۃ ثم قال فولدت لہ خدیجۃ القاسم ثم برکۃ ثم زینب ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم۔ آنحضرتؐ کی ایک صاحبزادی کا نام برکۃ ہے جسے جامعین رجال عمدہ حافظ عبد الغنی نے بیان کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ قاسم حضرت خدیجہؓ سے پہلے پیدا ہوئے۔ پھر برکت انکے بعد زینب پھر رقیہ پھر فاطمہؓ

پھر ام کلثوم۔ مگر کیا کہنا۔ فوراً ہی جب اس قیاس کی غلطی آپکو ثابت ہوئی۔ تو اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:۔ "القد قدمت فی القسم الثانی ثم ظہر لی انہ غلط نشا بۃ عن تحریف وذالک ان برکۃ مولاۃ النبی کانت تربی اولادہ من خدیجہ فلما ولد القاسم خدمتہ برکتہ فکانہ فی الذی نقل منہ ھذا المصنف کذالک فتحرفت علیہ الکلمۃ حتی ظنھا شقیقۃ برکتہ واللہ اعلم" ترجمہ:۔ ہم دوسری قسم میں برکت کو بنت نبی لکھ آئے ہیں۔ مگر اسکے بعد ظاہر ہوا کہ یہ غلطی ہے جو تحریف سے پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ برکت خادمہ تھی جو حضرت خدیجہ کی اولاد کی خدمت کیا کرتی تھی۔ جب قاسم پیدا ہوئے۔ تو یہ ان کی بھی خدمت کیا کرتی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اصل کتاب میں اس طرح تھا۔ جب اس سے نقل کیا تو اس میں یہ تحریف ہوگئی۔ جس سے اُس نے سمجھا کہ برکت قاسم کی بہن ہے۔ ان مختلف بیانات پر جب ایک محقق انسان دقیق نظر ڈالیگا۔ تو بخوبی سمجھ لیگا۔ کہ جب ایک اولاد کی صحیح تعداد قایم کرنے میں اسقدر مختلف اقوال واسناد اور متفرق مختار ماشہا پیش کئے جاتے ہیں۔ اور اصل واقعہ سے ان حضرات کو اس قدر لاعلمی اور بے خبری ہے۔ کہ گھر کی خادمہ اور اولاد میں تمیز نہیں کر سکتے۔ تو پھر انکے کسی مختار کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ بہر حال باوجود ایں ہمہ اختلافات آپکے علماء نے جناب سرورِ عالم کی جس قدر اولادیں قایم کی ہیں۔ وہ بہ اسناد روضۃ الاحباب صلنہ ترتیب وار یہ ہیں۔ قاسم۔ عبداللہ۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہؑ۔ ان حضرات موسومہ الذکر میں سوائے حضرت ابراہیمؑ سب کے سب بقول ان کے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھے۔ عبارت مرقومہ روضۃ الاحباب کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ قاسم اور عبداللہ (طیب وطاہر) کے بارے میں فریقین متفق ہیں۔ اور فریقین کا مختار ہے کہ یہ دونو صاحبزادے آنحضرت کے صلبی فرزند تھے۔ اب رہا اختلاف جس قدر ہے وہ لڑکیوں میں ہے۔ اہلسنت الجماعت لڑکیوں کو آنحضرت کی صلبی اولاد قرار دیتے ہیں۔ اور شیعہ سوائے حضرت زہراؑ اور کسی صاحبزادی کو صلبی اولاد

نہیں مانتے۔ از قبیل ربائب جانتے ہیں حضرات اہلسنت کے یہاں جہانتک دیکھا جاتا ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب کے مندرجہ بالا اتفاق اور ترتیب کے بعد بھی اختلاف رہ گیا ہے۔ جیساکہ اصابہ جلد ہشتم صـ۳۲ میں لکھا ہے:۔ (فولدت له خدیجه القاسم ثم برکة ثم زینب ثم رقیه ثم فاطمه ثم ام کلثوم) جناب خدیجہ کے بطن سے آپ کی دس اولادیں ہیں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکت پھر زینب پھر رقیہ پھر فاطمہ پھر ام کلثوم۔ یہ روایت ترتیب روضۃ الاحباب کے بالکل مخالف بلکہ تمام اہلسنت کے منافی ہے۔ اس میں تو اصل تعداد فرزندان ہی میں جو متفق علیہ فریقین ہے۔ اختلاف ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ کا نام ہی نہیں۔ جو باتفاق فریقین بطن خدیجہؑ سے آپکے صلبی صاحبزادے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سنی محقق کے نزدیک حضرت عبداللہ نامی کوئی صاحبزادہ آنحضرتؐ کا نہ تھا۔ (وهذا الشی عجاب) اگر ہم یہ کہہ دیں کہ یہ روایت ہی غلط ہے۔ اور اس کی تکذیب خود مولف نے اسی کتاب میں کردی ہے، تو پھر یہ کہا جائیگا۔ کہ مولف نے محض برکت کی نسبت اپنی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔ نہ تمام صاحبزادوں اور لڑکیوں کا۔ ان کی تعداد یا ترتیب کی نسبت کوئی عذر نہیں فرمایا ہے بہر حال اگر آپ کا اطمینان اس روایت سے نہیں ہوتا۔ تو اس ترتیب کے مخالف۔ اور دوسری اسناد ملاحظہ فرماکر خود اپنے علمائے نسابہ کی داد دیں۔ امام عبدالبر کی استیعاب میں لکھتے ہیں۔ (رقیہ بنت رسول اللہؐ امها خدیجه بنت خویلد وقد تقدم ذکرها زعم الزبیر و عمه مصعب انها کانت اصغر بنات رسول اللہ صلعم وابأه صحح الجرجانی) صـ۷۶؎ رقیہ بنت آنحضرتؐ انکی والدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ ان کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔ زبیر اور اُنکے چچا مصعب کا قول ہے۔ کہ وہ آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ علامہ جرجانی نے اس کی صحت کی ہے۔ جو امر اس میں غور طلب ہے وہ یہ ہے۔ کہ اصابہ کی روایت میں جناب فاطمہؑ اور ام کلثوم کے درمیان خوردی و بزرگی کا اختلاف تھا۔

وہ ابھی دُور نہ ہونے پایا تھا۔ کہ صاحب استیعاب نے اس ترتیب میں دوسرا اختلاف پیدا کردیا۔ وہ جناب فاطمہؑ اور ام کلثومؑ کے درمیان نہیں بلکہ جناب فاطمہؑ اور رقیہؑ کے مابین۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ انہوں نے اپنی اس تحقیق کو سرسری اور معمولی طور پر لکھ کر چھوڑا ہو۔ بلکہ اسے اپنا پورا پورا معیار تحقیق اور مختار تصدیق قرار دیا۔ اور اپنی کتاب میں اس کو معتبرات ومتواترات سے ارقام فرمایا ہے۔ چنانچہ بذیل تذکرہ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا پھر لکھتے ہیں:۔ (قال ابن کلبی زینب ثم القاسم ثم ام کلثوم ثم فاطمۃ ثم رقیہ ثم عبد اللہ وکان یقال لہ الطیب و الطاہر وقال ھذا ھو الصحیح وغیرہ تخلیط) ابن کلبی کہتے ہیں کہ زینب پھر قاسم پھر ام کلثوم پھر رقیہ پھر عبداللہ اور انہیں کو طیب وطاہر کہتے ہیں۔ اور ابن کلبی کہتے ہیں کہ یہی ترتیب صحیح ہے۔ اور اس کے سوا جو ہے سب غلط ملط ہے۔ دیکھو استیعاب صـ۷۳۹

کیوں مسٹر نامی ومظہر صاحب! اب تو آپکو یقین ہو گیا۔ کہ صاحب روضۃ الاحباب نے اپنی دانست میں نہایت تحقیق سے بنات رسولؐ یا آپ کی تمام اولاد کی جو ترتیب قایم کی تھی۔ وہ تمام کی تمام غلط ملط ثابت ہوئی۔ اور ساقط از اعتبار۔ تو ایسی حالت میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ باوجود اتنے اختلافات کے علمائے اہلسنت نے جو تعداد بتلائی ہے یا جو ترتیب وار فہرست مرتب کی ہے وہ صحیح اور درست ہے۔ بہرحال آنحضرتؐ کی اولاد اور انکی تعداد انکی ترتیب وغیرہ جو کچھ سواد اعظم کی کتب میں پائی جاتی ہے۔ وہ نہایت اختصار کے ساتھ حسب وعدہ محض تمہیداً اوپر عرض کیا گیا ہے۔ اب میں اس کے بعد اپنے مدعا کے اثبات میں کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے سوا اور تین صاحبزادیاں آپ کی صلبی اولاد نہ تھیں۔ اپنے سلسلہ تحریر میں ثابت کرتا ہوں۔ شاہ عبدالحق صاحب دہلوی مدارج النبوۃ میں بذیل تذکرہ رقیہ لکھتے ہیں۔ ذکر کردہ است دولابی کہ تزویج عثمان برقیہ درجاہلیت بودہ وذکر کردہ غیر وے کہ بعد از اسلام بود صـ۷۱ـ

امام دولابی کا یہ قول کہ تزوج عثمان بہ رقیہ در جاہلیت بودہ تمام اجماع
واتفاق اہلسنت کے منافی ہے۔ اور مخالف بلکہ حضرت عثمان کا عتبہ
وعتیبہ کے مساوی ہونا ثابت کر رہا ہے ؛

ناصبی ومظہر صاحب! ذرا دل سنبھالے رہیئے۔ دیکھیئے کیا کیا کچھ گل
کھلتے ہیں۔ آپ تو فضیلت عثمانی ثابت کر رہے ہیں۔ یہاں کچھ اور
ہی گل کھلتا نظر آتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ذوالنورین کی جگہ ذوالسوادین
نہ کہہ بیٹھیں۔ آمدم برسر مطلب۔ تمام سواد اعظم اہلسنت کا اس پر اتفاق
ہو چکا ہے۔ کہ رقیہ کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے قبل از ظہور اسلام کر دیا
گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ امام دولابی طبقہ سنیہ میں کوئی معمولی درجہ اور حیثیت
کے عالم نہیں گذرے۔ بلکہ بہت بڑے پایہ کے محقق محدث اور معتبر اور
مستند عالم شمار ہوتے ہیں۔ جب ایسے بزرگوار عالم کی شان تحقیق کا یہ
عالم ہے۔ کہ وہ صرف عثمان کو رسالتماب کی دامادی کا خلعت پہنانے کی
غرض اور تمنا میں آگے پیچھے کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ اور انکو رسالت کا
قدیم اور سب سے پہلا داماد ثابت کرنے کی خواہش میں غریب رقیہ کو کھینچ
تان کر قبل از ظہور اسلام عثمان کے ساتھ بیاہ دیتا ہے۔ تو اس کے لئے
کیا مشکل ہے کہ وہ رقیہ کو آنحضرت صلعم کی صلبی اولاد قرار دے۔ بلکہ میرا تو یقین
ہے۔ کہ ایسا ماننا اس کا پہلا فرض ہوگا۔ کیونکہ بغیر اس عقیدے کے عثمان
کی فضیلت دامادی کا اصل مضمون ہی خبط اور محض بے ربط ہو جاتا ہے
بہرحال دولابی صاحب خدا بھلا کرے۔ اگرچہ اُن کے اس مختار نے
سواد اعظم اہلسنت کے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں سخت دشواریاں اور
مشکلات پیدا کر دیں۔ مگر بہ مصداق عدو شود سبب۔ خیر اگر خدا خواہد
حضرات شیعہ کے اثبات مدعا اور تصدیق بیان میں سہولت اور آسانیاں
قایم کر دیں۔ یہ مسئلہ مسلمہ فریقین ہے۔ کہ رقیہ ظہور اسلام سے پہلے
عتبہ ابن ابولہب کے ہمراہ بیاہی گئی تھیں۔ مگر حسب تحقیق دولابی صاحب
کوئی عقل کا اندھا۔ اخلاق وتہذیب وصداقت کا دشمن دولابی صاحب کے

اس غلط قول کی تاویل میں اس کے کہنے کی کبھی جرأت کر سکتا ہے۔ معاذ اللہ شاید وہ زوجہ عثمان بھی ہوں۔ اَستغفر اللہ ربّی وَاتوبُ اِلیہ بہر حال جناب دولابی صاحب نے اپنے تمام علماء و محدثین کے مختار متفقہ سے انکار کر دیا۔ مگر انکے انکار سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا۔ کہ وہ قبل از اسلام بالغہ ہو چکی تھیں۔ اور جب قبل از اسلام انکا بلوغ ثابت ہے۔ تو وہ پھر کسی طرح آنحضرتؐ کی صلبی صاحبزادی ثابت نہیں کیجا سکیتں ÷

اب ہم اپنے اس دعوے کو کہ سواد اعظم اہلسنت میں رقیہ کے قبل از اسلام بالغ ہونے پر سب کا اجماع ہے۔ اور یہ امام دولابی کی تنہا رائے نہیں ہے۔ ذیل کے اسناد و اشہاد سے ثابت کرتے ہیں۔ اصابہ جلد ہشتم صفحہ ۸۳ میں مرقوم ہے۔ (و زوّجہا عتبہ ابن ابی لہب قبل النبوّۃ فلما بعث قال ابو لہب لہ اسی من راسک حرام) ترجمہ رقیہ کو قبل از نبوت عتبہ ابن ابو لہب نے بیاہا۔ جب آپ نے بعثت فرمائی تو ابو لہب نے کہا۔ کہ اب میری تمہاری قرابت اور عزیز داری حرام ہے ÷

استیعاب جلد دوم صفحہ ۷۹۳ میں مذکور ہے:۔ (ام کلثوم بنت رسول اللہ اُمّہا خدیجہؓ بنت خویلد ولدتہا قبل فاطمہ و قبل رقیہ فیما ذکرہ مصعب و خالفہ اکثر اہل العلم بالانساب والاخبار فی ذالک و تابعہ قوم والاختلاف فی الصغرے بنات رسول اللہ کثیر والاختلاف فی اکثرہن شئذ و دو الصحیح ان اکبرہن زینب وقد تقدم فی ابوابہن ما یغنی عن اعادتہا و باللہ التوفیق ولم یختلفوا انّ عثمان انّما تزوّج ام کلثوم بعد رقیّہ وفی ذالک دلیل علےٰ ما قالہ الذین خالفوا مصعباً فی ذالک لانّ المتعارف تزوّج الکبرے قبل الصغرے واللہ اعلم)

اُم کلثوم بنت رسول اللہؐ کی ماں خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ انکی پیدائش حضرت فاطمہ اور رقیہ سے پہلے ہوئی۔ جیسا کہ مصعب نے ذکر کیا ہے۔ مگر صاحبان علم انساب و اخبار اور انکے تابعین گروہ نے مصعب کے اس قول سے اختلاف کیا ہے۔ اور جو کچھ اختلاف ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی خورد سال صاحبزادیوں کی

نسبت ہے۔ اور وہ اختلاف کثیر ہے۔ اور بڑی صاحبزادی میں اختلاف نہایت شاذ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ زینب سب لڑکیوں میں بڑی تھیں۔ جیساکہ ان کے حالات سے ثابت ہوتا ہے۔ واللہ المستعان اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ عثمان نے ام کلثوم کو رقیہ کے بعد بیاہا۔ اور یہ امر ان کے اقوال پر دلیل ہے۔ جنہوں نے قول مصعب سے مخالفت کی ہے۔ کیونکہ یہی مشہور بین الخواص والعوام ہے۔ کہ بڑی لڑکی کی شادی چھوٹی سے پیشتر ہوا کرتی ہے۔ واللہ اعلم اس عبارت سے جہاں رقیہ کی بزرگی عمر ام کلثوم سے ثابت ہوئی۔ وہاں یہ امر بھی معلوم ہوگیا۔ کہ یہ دونوں صاحبزادیاں آنحضرت ؐ کی بعثت سے پیشتر بالغہ وراشدہ تھیں۔ اور ایک بار نہیں دو بار بیاہ بھی دی گئیں۔ پہلی مرتبہ یہ دونوں صاحبزادیاں عتبہ اور عتیبہ پسران ابولہب سے بیاہی گئیں۔ اور پھر ہر دو کے طلاق پانے کے بعد یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں آئیں۔ ان حالات کے مطالعہ کے بعد کوئی صاحب عقل ورائے سلیم اس خارج از عقل و بیرون از قیاس دعوے کو ایک منٹ کے لئے بھی مان سکتا ہے؟ کہ کل دس برس کی مدت میں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آنحضرت کی تین صاحبزادیاں پیدا بھی ہوئیں۔ جوان بھی ہوئیں۔ ایک بار نہیں دو دو مرتبہ بیاہی بھی گئیں۔ (وھٰھنا ثقیل الاشکال و شدید المحال) مگر افسوس تو یہ ہے۔ کہ خواہ وہ امر کتنا ہی مشکل اور بعید از عقل ہو مگر جس سے فضیلت ثلاثہ ثابت ہوتی ہو۔ کھینچ تان کر ان سے منسوب کردی جاتی ہے۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم ان تمام محالات کو بفرض تسلیم قبول بھی کرلیں۔ تو مسٹر عثمان کی اس میں کونسی فضیلت اور بزرگی ہے۔ بلکہ ابولہب کے بیٹوں سے آپ کا نمبر دوم قرار پاتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ آمدم برسر مطلب۔ چونکہ ان خواتین کے قبل از ظہور اسلام بالغ ہونے سے ہمارے دعوے کی تصدیق و توثیق ہو جاتی ہے۔ ام کلثوم و رقیہ کا حال تو لکھا گیا۔ اب زینب کا حال بھی مختصراً لکھنا ضروری ہے۔ اصابہ جلد دوم صفحہ ۹ میں مرقوم ہے۔ (ھی اکبر بناتہ

واول من تزوج منہن ولدت قبل النبوۃ بمدۃ قیل انہا عشر سنین)
زینب سب سے بڑی لڑکی آنحضرت کی تھی۔ اور تمام بہنوں میں پہلے انہی کی شادی
ہوئی۔ یہ نبوت سے پہلے دس برس پیدا ہوئی تھیں۔ علمائے اہلسنت نے ان
صاحبزادیوں کے قبل از نبوت پیدا ہونے اور بالغہ ہو جانے پر ہی اکتفا نہیں
فرمایا۔ بلکہ ان کے تفاوت عمر کی بھی یوں تصریح بیان کردی ہے۔ کہ حضرت
رسولخداؐ جب تیس برس کے تھے۔ تو زینب پیدا ہوئیں۔ اور جب ۳۳ برس
کے ہوئے۔ تو رقیہ کی ولادت ہوئی۔ اور رقیہ کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں
تو اب تصریح پر غور فرماکر ناصبی اور منظر صاحب انصاف سے کہئے۔ کہ باتفاق
فریقین چالیس برس کی عمر میں آپ کی بعثت واقع ہوئی۔ تو کل دس سالہ
مدت میں یہ تینوں لڑکیاں زینب۔ ام کلثوم۔ رقیہ کیسے پیدا ہوگئیں۔ اور اس پر
طرہ یہ کہ قبل بعثت سب کی سب بالغہ و راشدہ بھی ہوگئیں۔ اور پھر ایسی کہ ایک
مرتبہ نہیں دو دو مرتبہ بیاہی بھی گئیں۔ اب دوسری طرح سے اس تعجب انگیز
اور حیرت انگیز معاملہ پر دیکھا جائے۔ فریقین کے تمام علمائے محدثین اور
مورخین کا اس پر اجماع ہے۔ کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے حضرت خدیجہ رض
سے عقد فرمایا۔ تو اسوقت آپ کا سن مبارک ۲۵ برس کا تھا۔ اور مبعوث برسالت
ہونے کے وقت آپ ۴۰ برس کے ہوگئے تھے۔ تو پندرہ برس کی مدت میں قاسم۔
طیب۔ عبداللہ۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ حضرت فاطمہؑ پیدا ہوئیں۔ اور
ان میں تین صاحبزادیاں زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم بالغہ بھی ہوگئیں۔ اور دوبارہ
بیاہ بھی دی گئیں۔ کبھی کسی کی عقل سلیم اس محال عظیم کو تسلیم کر سکتی ہے؟ پندرہ
سال مدت میں اتنی اولادوں کا پیدا ہونا اگر بفرض محال بپاس خاطر ناصبی و
منظر تسلیم کر بھی لیا جائے۔ تو جناب خدیجہؓ جیسی خاتون معظمہ سے جن کا
سن شریف باتفاق علماء عقد کے وقت ۴۰ برس کا ہوچکا تھا۔ جس کے
بعد فطرتاً اور معمولاً ولادت کم ہوجاتی ہے۔ دس برس کے اندر اتنی کثیر الاولادی
خلاف عقل اور خارج از قیاس ہے۔ اور پھر بفرض محال اگر اتنے صاحبزادے
اور صاحبزادیوں کا پیدا ہونا اتنی مدت میں مان بھی لیا جائے۔ تو اتنی مدت کے

اندریں ہر سہ دختران کا بالغ ہونا قطعی محال ہے۔ اور یہ بھی خیال رکھیں کہ ان تینوں لڑکیوں کا قبل از بعثت پیدا ہونا بالغہ ہو جانا اور بیاہا جانا اور پھر ان میں سے دو خواتین کا شوہر اولے سے طلاق پانا پھر دوبارہ بیاہے جانے پر اتفاق و اجماع ہو چکا ہوا ہے۔ بہرحال ان مشکلات کے حل کرنے میں بغیر ازیں چارہ نہیں کہ حضرات شیعہ کا دعوے تسلیم کر لیا جاوے۔ کہ یہ ہر سہ صاحبزادیاں زینب۔ ام کلثوم و رقیہ یا تو ربائب رسولخدا صلعم تھیں یا خدیجہ رض کی بہن کی لڑکیاں تھیں۔ کیونکہ ان ہر سہ دختران کا بالغہ ہو جانا اور قبل از بعثت ابوالعاص عتبہ و عتیبہ سے۔ بیاہا جانا فریقین کا متفق علیہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے۔ اور جب ایسا ہے اور ضرور ایسا ہی ہے۔ تو بلاشبہ یہ تینوں حضرت خدیجہ کے ہمراہ عام اس سے کہ آپ کے شوہر اول سے ہوں۔ یا آپ کی بہن ہالہ کی کاشانہ نبوت میں آئیں۔ اور آنحضرت صلعم کی ربوبیت میں جو مجازاً ابوبیت سمجھی جاتی تھی۔ آئیں۔ اور تا ایام بلوغ در زیر داماں شفقت و پرورش رسالت

بہ راحت و آرام تمام رہ کر بیاہ دی گئیں۔ اب یہ تمام اشکال و اختلافات و غلط مرویات جو ان کے بنات النبی ثابت کرنے کی کوششوں میں جس خود غرضی اور نفسانیت سے بڑھائے گئے اور تمام اقصار و اقطاع عالم میں پھیلائے گئے۔ وہ صرف اسی غرض سے کہ انکو بنات رسول صلعم میں داخل کر کے عثمان کو دامادی رسول صلعم کے شرف و منزلت میں جناب علی مرتضےٰؑ کا مقابل و مماثل ٹھیرایا جائے بلکہ اس مفاخرت او شرافت میں ان سے بھی قدیم ثابت کیا جائے۔ بس اور کچھ نہیں۔ حالانکہ یہ ایسی سعی لاحاصل اور زعم باطل ہے کہ باوجود اتنی جانکاہ کوشش کے اسوقت سے لے کر آجتک دنیا اور تمام دنیا والے رقیہ کو رقیہ اور ام کلثوم کو ام کلثوم ہی جانتے ہیں۔ اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو سیدۃ النساء العالمین بضعہ ختم المرسلین فاطمہ الزہرا ئے و بتول عذرا حوراء الانسیہ اشرف النساء اور افضل النساء مانتے ہیں۔ وھذا افضل اللہ یؤتیہ من یشاء

اب میں اور طریقہ سے انہیں حضرات کے اقوال و مختار سے ان تینوں صاحبزادیوں کا آنحضرت کی صلبی اولاد نہ ہونا ثابت کئے دیتا ہوں۔ ابھی ابھی میں رقیہ کا اصغر بنات

ہونا اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے چھوٹی ہونا امام عبدالبر کی کتاب استیعاب سے ایک جگہ نہیں تین تین جگہ اوپر لکھ آیا ہوں - اگر ناظرین کو یاد نہ رہا ہو - اور ورق گردانی کی زحمت گوارا نہ ہو - تو میں ذیل میں دوبارہ ان اسناد و اشہاد کو قلمبند کرکے منظر و نامی صاحبان کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں +

صاحب استیعاب لکھتے ہیں (رقیہ بنت رسول اللہ صلعم امہا خدیجہ بنت خویلد وقد تقدم ذکرہا زعم الزبیر وعمہ مصعب انہا کانت اصغر بنات رسول اللہ وایاہ صحح الجرجانی النسابہ ص۷۶۶) رقیہ بنت رسول اللہ صلعم ان کی والدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں - ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے - زبیر اور انکے چچا مصعب کا قول ہے کہ وہ رسول صلعم کی سب سے خورد سالہ صاحبزادی تھیں - علامہ جرجانی نسابی نے اس روایت کی صحت کی ہے - اب اگر یہ کہا جائے - کہ اس روایت سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے - کہ رقیہ جناب سیدہؑ سے بھی سن میں چھوٹی تھیں - کیونکہ عبارت میں صرف اصغر بنات ہے - کسی کے نام کی تخصیص و تصریح نہیں - تو بہتر ہے کہ ہم اسی کتاب استیعاب سے اس امر کو بھی ثابت کر دیں - کہ رقیہ جناب سیدہؑ سے بھی عمر میں چھوٹی تھیں چنانچہ استیعاب میں بہ ذیل ذکر جناب خدیجہ لکھا ہوا ہے :- (قال الزبیر ولد لرسول اللہ القاسم وہو اکبر ولدہ ثم زینب ثم عبد اللہ وکان یقال لہ الطیب ویقال لہ الطاہر ولد بعد النبوۃ ثم ام کلثوم ثم فاطمہ ثم رقیہ ص۷۴۹) زبیر کا قول ہے - کہ آنحضرتؐ کی اولاد میں قاسم آپ کے اولاد اکبر تھے - پھر زینب پھر عبد اللہ اور انہیں کو طیب بھی کہتے ہیں - اور طاہر بھی بعد نبوت پیدا ہوئے تھے - انکے بعد ام کلثوم - پھر فاطمہ پھر رقیہ) پھر اس کے بعد لکھتے ہیں - (قال ابن کلبی زینب ثم القاسم ثم ام کلثوم ثم فاطمہ ثم رقیہ ثم عبد اللہ وکان یقال لہ الطیب والطاہر وقال ہذا ہو الصحیح وغیرہ تخلیط ص۷۳۹) ابن کلبی کہتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں سب سے پہلے زینب پھر قاسم پھر ام کلثوم پھر فاطمہ پھر رقیہ پھر عبد اللہ اور انہیں کو طیب و طاہر بھی کہتے ہیں - اور یہی قول صحیح ہے - اور اس کے خلاف جو قول ہے - وہ سب غلط ملط ہے +

یہ ہر سہ روایات مرقومۃ الصدر جو سواد اعظم کے معتبر اور مستند ماخذوں سے لی گئی ہیں

پُورے طور سے ثابت کر سکیں کہ رقیہ حضرت فاطمہؑ سے ضرور عمر میں چھوٹی تھیں صاحب استیعاب کا یہ قول تنہا نہیں۔ بلکہ علم الانساب کے بہت بڑے ماہر اور محقق علامہ جرجانی کا بھی یہی معیار تصدیق ہے۔ اور کلبی صاحب کا مختار تصدیق اور پھر اس تاکید شدید کے ساتھ کہ سوائے اس کے دوسرا قول صحیح نہیں ہو سکتا وہ سب افراط و تفریط اور انتشار و تخلیط میں داخل ہے۔

الحاصل اب حضرات اہلسنت کے معتقدات میں یہ امر داخل ہو گیا۔ کہ جناب سیدہؑ بلاشبہ و کلام رقیہ سے سن میں بڑی تھیں۔ اور رقیہ ان سے چھوٹی تھی۔ تو اب آپ کو قسم ہے روح حضرت معاویہ و یزید کی۔ ذرا نگاہ غور سے دیکھ کر از روئے انصاف فرمایئے۔ کہ کوئی ذرا سی عقل رکھنے والا شخص بھی کبھی اسے یقین کر سکتا ہے۔ خصوصاً ایسے مقدس بزرگوار کی ذات مجمع الصفات اور معدن برکات سے جسے خیر البشر و افضل البشر مانا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی چھوٹی صاحبزادی کی فکر ازداج میں اتنی تعجیل کرے۔ کہ اشاعت اسلام کے آغاز میں اس کو جلدی سے ایک کافر مطلق کے ساتھ بیاہ دے۔ اور اس سے بڑی لڑکی کو گھر میں کنواری بٹھلائے رکھے۔ اور پھر سات آٹھ برس کی مدت مدیدہ کے بعد جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لے جائے۔ تو اس نکاح عقد حضرت علیؑ کے ساتھ فرما دے۔ میں اپنی طرف سے اس دور از قیاس و عقل مسئلہ پر کوئی رائے زنی کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ انہی عبد البر صاحب نے ام کلثوم اور رقیہ کے بڑی اور چھوٹی ہونے کے اختلاف میں چھوٹی لڑکی کا عقد بڑی لڑکی سے پہلے کئے جانے کو جس طرح غلط غیر متعارف اور دُور از قیاس ٹھیرایا ہے۔ اس کو اگرچہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں مگر پھر ناظرین کی یاد دہانی اور اصل حقیقت سمجھنے کی آسانی کے لئے ذیل میں مکرر لکھے دیتے ہیں۔ استیعاب جلد دوم ص۷۹۳ میں لکھا ہے۔ (ولم یختلفوا ان عثمان انما تزوج ام کلثوم بعد رقیۃ وفی ذالک دلیل علے ما قاله الذین خالفوا مصعباً فی ذالک لان المتعارف تزوج الکبریٰ قبل الصغریٰ) اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ کہ عثمان نے ام کلثوم کو رقیہ کے بعد بیاہا۔ اور یہ ان لوگوں کے قول پر دلیل ہے۔ جو مصعب کے مخالف ہیں۔ کیونکہ متعارف یہی ہے۔ کہ بڑی لڑکی کی شادی چھوٹی سے پہلے

کر دی جاتی ہے ۔

اب ذرا نامی اور منظر صاحب بتلائیں کہ جو کلیہ ام کلثوم اور رقیہ کے درمیان قایم کیا جاتا ہے اور بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی لڑکی کا بیاہا جانا خلاف عرف بتلایا جاتا ہے۔ وہی مسلمہ اور وہی غیر متعارف یہاں زینبؑ اور جناب فاطمہؑ کے مابین کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اور اسی اصول کی بنا پر رقیہ کا قبل جناب سیدہ کے بیاہ دیا جانا کیوں غلط نہیں مانا جاویگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام موضوعات کے طومار ہیں۔ اور مصنوعات کی بھرمار۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ رقیہ جناب سیدہؑ سے ہرگز بڑی تھیں۔ اور بہت بڑی وہ ہرگز آنحضرتؐ کی صلبی اولاد نہ تھیں۔ بلکہ قبیل ربائب حضرت خدیجہ کے ہمراہ آئیں۔ خواہ ان کے شوہر اول سے ہوں یا ان کی ہمشیرہ ہالہ کی صاحبزادیوں میں ہوں کا شانہ نبوت میں آئیں۔ اور حسب دستور عرفاً و مجازاً حضرت رسولؐ کی ربیبہ صاحبزادیاں کہلائیں اور یہیں سے زیر نگرانی و سرپرستی حضرت ختمی مرتبت صلعم پہلے رقیہ عتبہ ابن ابی لہب اور پھر اس سے طلاق پانے کے بعد عثمان کے ساتھ بیاہ دی گئیں۔ یہ جو کچھ طومار ہے اور طوفان بدتمیزی خلاف عقل برپا ہے وہ صرف عثمان کو داماد رسولؐ بناتے اور خصوصاً علی مرتضےٰ علیہ السلام سے انکو بہ اعتبار شرف صہریت قدیم اور متقابل ٹھیرانے کی اصل غرض سے اور کچھ نہیں۔ مگر قدرت وہ چیز ہے جس کی حد نہیں۔ علمائے سنیہ کچھ ہی کریں۔ کودیں پھاندیں۔ زمین و آسمان کے قلابے ملائیں۔ عثمان عتبہ اور عتیبہ پسران ابو لہب کے مقابلہ میں نمبر دوم پر آتے ہیں قبل اس کے کہ میں ان صاحبزادیوں کے آپ کی صلبی اولاد نہ ہونے کے اور دوسرے ثبوت پیش کروں۔ حضرات اہلسنت کی ایک اور بے مثل اور سراپا لغو موضوع روایت کو جو صرف عثمان کی فضیلت افزائی کے لئے خاصکر گھڑی گئی ہے۔ ذیل میں انہیں کے ماخذوں سے نقل کرتا ہوں ۔

تاریخ طبری خمیس دیار بکری۔ روضۃ الاحباب وغیرہ سے باتفاق ثابت ہے کہ ہجرت حبشہ کا واقعہ ۵ سال نبوت میں واقع ہوا۔ صاحب استیعاب ص۷۴۴ میں لکھتے ہیں ۔ فقال مصعب وغیرہ من اہل النسب کانت رقیہ تحت

عتبہ ابن ابی لہب وکانت اختہا ام کلثوم تحت عتیبہ ابن ابی لہب فلما نزلت تبت یدا ابی لہب قال لہما ابوہما ابولہب وامہما حمالۃ الحطب فارقا ابنتی محمد وقال ابولہب راسی من راسیکی حرام ان لم تفارقا ابنتی محمد ففارقاہا قال ابن شہاب فتزوج عثمان رقیہ بمکۃ وہاجرت معہ الی حبشۃ) مصعب اور دیگر صاحبان علم انساب کا قول ہے کہ رقیہ عتبہ ابن ابولہب کی بی بی تھیں اور ام کلثوم عتیبہ پسر ابولہب کی۔ جب سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوا۔ تو ان دونو کے باپ ابولہب اور ان ہر دو کی ماں حمالۃ الحطب نے اپنے دونو بیٹوں سے کہا۔ کہ تم دونو محمدؐ کی دو نو بیٹیوں سے جدائی اختیار کرو۔ اور ابولہب نے کہا کہ اب میرا سر اور ان کا سر اکٹھا رہنا حرام ہے۔ یعنے ہماری اور ان کی قرابت اور پیوند حرام ہو گئی۔ اگر تم دونو محمدؐ کی بیٹیوں سے جدائی نہ کرو گے۔ تو ہم تم دونو سے جدا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد رقیہ کا نکاح عثمان سے ہوا۔ اور وہ عثمان کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔

اب ذرا اسی مضمون ہجرت عثمان کو اصابہ کی اصلی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے اصابہ صفحہ میں لکھا ہے۔ (اخرجہ ابن مندہ بسندہ عن ہشام ابن عروہ عن ابیہ عن اسماء بنت ابی بکر قالت کنت احمل الطعام الی ابی وہو مع رسول اللہ صلعم بالغار فاستاذنہ عثمان فی الہجرۃ الی الحبشۃ فحملت الطعام فقال لی ما فعل عثمان ورقیہ قلت قد سارا والتفت الی ابی بکر فقال والذی نفسی بیدہ انہ اول من ہاجر بعد ابراہیم ولوط)

ابن مندہ بسند ہشام ابن عروہ اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اسماء دختر ابوبکر سے روایت کرتا ہے۔ کہ اسماء نے ذکر کیا کہ میں اپنے باپ کے پاس کھانا لے جاتی تھی۔ اور وہ آنحضرتؐ کے ہمراہ غار میں تھے۔ تو عثمان نے اجازت طلب کی کہ حبشہ کیطرف ہجرت کرے۔ حضرت نے اجازت دی۔ میں کھانا لیکر گئی تو آپ نے پوچھا۔ کہ عثمان اور رقیہ کیا ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ تو آپ نے ابوبکر سے فرمایا۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد ہجرت کی۔

طرّہ پر طرّہ یہ ہے کہ امام بخاری صاحب عثمان کی ہجرت کو اس سے بھی پہلے اور آگے گھسیٹ لے جاتے ہیں۔ اور ان کی ہجرت کو نزول آیہ (وانذر عشیرتک الاقربین) کے بعد فوری بتلاتے ہیں۔ ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی — کہ بر آسماں نیز پرداختی

اب ان اختلافات متفرقہ اور بیانات مختلفہ کو دیکھ کر ہر شخص بہ آسانی ان واقعات کے بے اصل اور سراپا لغو ہونے کی اصلیت اور حقیقت کو سمجھ لیگا۔ کہ کہاں ۵ھ ہجری میں عثمان اور رقیہ کی ہجرت بتلائی جاتی تھی اور اب کہاں کھینچ تانکر اس روز ثابت کی جاتی ہے۔ کہ جس روز آنحضرت صلعم بغرض ہجرت مدینہ غار ثور میں پنہاں ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ بحرانی حالت تو بخاری صاحب کی روایت پر طاری ہے۔ جو ان دونوں سے بھی اس واقعہ کو پیشتر اور قدیم بتلاتے ہیں۔ اسوجہ سے ابن حجر مکی نے آپ کی اس روایت پر اعتراض کیا ہے۔ مگر چونکہ عثمان کی فضیلت کا پاؤں درمیان تھا۔ مجبور ہو کر اس روایت کو لکھ بھی دیا ہے۔ اور امام صاحب کی دستار امانت کے سنبھالنے کی ضرورت سے ایک فضول اور بے معنے تاویل بھی کردی ہے۔ جس سے آپ کی خفیف الحرکاتی اور تلون طبع بچوں سے بھی زیادہ ثابت ہوتی ہے۔ ابن حجر اس تاویل میں رقمطراز ہیں۔ (لان کان المراد بالغار غیر الذی کا نافیہ لما ھاجر الی المدینہ) یعنے ممکن ہے کہ وہ غار مراد نہ ہو۔ جس میں بوقت ہجرت آنحضرت صلعم نے قیام فرمایا تھا۔ نامی صاحب و منظر صاحب! ذرا ابن حجر کو عثمان کا واسطہ دے کر پوچھیئے۔ کہ اگر غار ہجرت نہ تھا۔ تو وہ کونسا غار تھا۔ جس میں جناب سرور عالم صلعم کے ہمراہ ابوبکر یار غار بنکر چھپے تھے۔ اور جہاں انکی صاحبزادی اسماء کھانا پہنچاتی تھی۔ کیا اس غار کے سوا آپ اپنی حدیث تفسیر تواریخ سیر کی کسی معمولی سے معمولی کتاب میں بھی کوئی دوسرا غار اپنے اس سراپا غلط اور بے اصل تاویل کی تائید میں دکھا سکتے ہیں۔ میں دعوے سے عرض کرتا ہوں۔ کہ اسوقت سے لے کر قیامت تک کوئی شہادت کوئی

سنداس کے ثبوت میں پیش نہیں کرسکتے۔ ا
پھر ایسی حالت میں جب ان حضرات کی غلط بیانیاں اس حد تک پہونچگئی ہیں۔ کہ انکو کسی امر کی حقیقت اور اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور ان کے تمام اقوال اور مختار کے اصول ان کی خود غرضی پر مبنی ہیں۔ تو ایک محقق کے آگے ان کی کسی تحقیق ان کے کسی مختار اور ان کی کسی رائے کا کیا وزن اور اعتبار ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہ تو ان حضرات کی عام خلفا پرستی اور خصوصًا اس مقام پر عثمان کے اشتہار فضیلت کی خود غرضانہ اور مخویانہ ترکیب وتدبیر کا ایک مختصر سا حال تھا۔ جو میرے سلسلہ بیان میں واقع ہو گیا۔ میں نے اسے مثالاً اسمقام پر اس غرض سے لکھ دیا۔ کہ جب حضرات خلفاء کی اظہار فضیلت میں اسدرجہ تک خود غرضی اور نفسانیت پہنچی ہے۔ تو پھر وہی حضرات عثمان کی نسبت کی وجہ خاص سے ان تینوں صاحبزادیوں کو آنحضرتؐ کی صلبی صاحبزادیاں بنا دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بہرحال اتنا تمہیداً ذکر کر کے ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور ذیل کے بیانات میں ان ہرسہ خواتین کے صلب رسولؐ سے نہ ہونے کے ثبوت پیش کرتے ہیں*

میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ حضرات شیعہ کا متفق علیہ مختار ہے۔ کہ یہ لڑکیاں آنحضرتؐ کی صلبی صاحبزادیاں نہیں ہیں۔ اب اس مدعائے بیان کی تائید اور ثبوت میں معارف ابن قتیبہ کی اصلی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔ کتاب معارف صـ۳۲ میں لکھا ہے:۔

(وکانت خدیجۃ عند عتیق ابن عابد المخزومی فولدت له جاریۃ وتزوجها بعدہ ابوهاله بناش ابن زرارۃ الاسیدی التیمی من حبیب ابن جودہ ومات بمکۃ فی الجاهلیۃ وکانت ولدت له هند ابن ابی هاله فتزوجها رسول اللّٰه صلعم ولم ینکح علیها امرأۃ حتی ماتت وربی ابنها هند فکان ربیبه وکان یقول

انّا اکرم الناس (ابّاً و امّاً و اخاً و اختاً ابی رسول اللہ صلعم و امی خدیجہ و اخی القاسم و اختی فاطمہ علیہم السلام) منظہر و نامی صاحب قبل ازیں کہ میں اس کا ترجمہ لکھوں ۔ ذرا دل کو ڈھارس دیجئے ۔ دیکھئے کہ کس طرح بنا بنایا کھیل بگڑتا ہے ۔ اور اس واقعہ کی اصلیت کا انکشاف ہو رہا ہے +

ترجمہ (حضرت خدیجہ کا عقد پہلے عتیق ابن عامہ مخزومی سے ہؤا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ۔ پھر ابو ہالہ ابن زرارہ اسیدی تمیمی سے ۔ جو قبیلۂ بنی جبیب ابن جروہ سے تھے ۔ اور جس نے مکّہ میں بحال جاہلیت وفات پائی ۔ نکاح ہؤا ۔ اس سے ہند ابن ابی ہالہ پیدا ہؤا ۔ بعدہٗ جناب رسول خدا صلعم سے عقد ہؤا ۔ اور ہند ابن ابی ہالہ آپ کے ربیب تھے ۔ جس پر وہ کہتے ہیں کہ میں سب لوگوں سے ازروئے باپ ماں بھائی بہن کے افضل ہوں ۔ اس لئے کہ میرے باپ رسول خدا صلعم اور ماں حضرت خدیجہ اور بھائی حضرتِ قاسم اور بہن جناب حضرتِ فاطمہ علیہم السلام

قریب قریب یہی روایت روضۃ الاحباب میں صفحہ ۵۷۵ میں بھی لکھی ہوئی ہے ۔ اس روایت سے تین باتیں معلوم ہوئیں ۔ ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا شوہر اوّل و دوم سے حضرت خدیجہؓ کا پیدا ہونا اور دوسرے ہند ربیب حضرتؐ کا حضرتؐ کو باپ کہنا ۔ تیسرے یہ کہ ہند نے بہنوں میں صرف جناب فاطمہؑ کا نام لیا ۔ نہ زینب کا نہ رقیہ کا اور نہ ام کلثوم کا ۔ جس سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ وہ اولاد حضرت خدیجہؓ سے کبھی نہیں تھیں ۔ چہ جائیکہ اولاد رسولؐ سے ہوں ۔ اصابہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا عقد پہلے ابی ہالہ سے ہؤا ۔ پھر عتیق سے ۔ بہر حال ہم کو اس اختلاف سے چنداں سروکار نہیں ۔ بہر طور انہیں کی مرویات سے اتنا ضرور ثابت ہو گیا ۔ کہ آنحضرتؐ سے پہلے حضرت خدیجہؓ کے دو شوہر اور بھی تھے ۔ اور اُن سے اولاد بھی ہوئی ۔ تو پھر اب اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے ۔ کہ یہ تمام لڑکیاں خود حضرتؐ سے نہ تھیں ۔ بلکہ انہیں شوہران اوّل سے یا ان کی بہن ہالہ سے

باقی رہا اب یہ عذر لنگ کہ روایت مذکورہ میں شوہر اول سے ایک لڑکی کی نسبت روایت ہے۔ پھر یہ تین لڑکیاں شوہران اول سے کیسے تسلیم کی جاویں۔ تو جواباً عرض ہے یہی تو آپ کی اصلی غرض ہے۔ آپ ہی حضرات کی روایات اور آپ ہی کے رُوات اختیار ہے۔ ایک لکھئے یا چار۔ غرض پوری کرنے کے لئے جتنی تعداد چاہئے گھٹا لیجئے یا بڑھا لیجئے۔ آپ کی ترتیب اور ترکیب پر منحصر ہے۔ یہ تو حضرت خدیجہ رضہ کے شوہران اول سے جو اولادیں تھیں۔ ان کی کیفیت دکھلائی گئی۔ خاص جناب رسالتمآبؐ سے جو اولاد صلبی قرار دی گئی ہے۔ اور اس کی تعداد قایم کرنے میں اختلافات کا جو طومار آپ کے علماء نے باندھا ہے۔ اور پہلے آپ کے صلبی اولاد کی لڑکے لڑکیاں ملاکر تعداد چھ بتلائی ہے۔ پھر چھ سے آٹھ بنائی۔ پھر اسے گھٹا کر سات ٹھیرائی۔ پھر اس کو بھی غلط کیا۔ سات سے نو کی تعداد قایم کی۔ پھر اس پر بھی اطمینان نہ ہوا۔ تو نو سے گیارہ تک ٹھیرائی۔ مگر اس پر بھی بس نہ فرمائی۔ صاحبزادوں میں ایک صاحبزادے عبدالمناف کا نام بڑھا کر گیارہ سے تعداد بارہ تک پہنچائی۔ جیسا کہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص۳۴۳ سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں *

اب طرہ بر طرہ اور دیکھئے کہ زمانہ موجودہ کے سرمایہ ناز محقق و مورخ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی نے آپکے صاحبزادوں میں قاسم و عبداللہ طیب وطاہر عبد مناف کے علاوہ آپکے ایک لڑکے کا نام عبدالعزےٰ بھی بتلایا ہے۔ اور اپنی اس تحقیق کو روایات صحیحہ سے ماخوذ بتلایا ہے۔ اور بتوں پر آپکے نام رکھے جانے کے اعتراض پر تنقیدانہ بحث بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ہو۔ تو اس سے آنحضرتؐ کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ انہوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرتؐ اسوقت تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا

سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۲۹

اب اگر امام بخاری کی تحقیق قابل اعتبار ہے۔ تو حضرت کی صلبی اولاد کی تعداد بارہ سے بیزہ ہوگئی۔ سبحان اللہ! جب ان حضرات کی اپنی مرویات میں افراط و تفریط کی یہ حالت ہے۔ تو پھر اصل واقعات کی تحقیق کی امید معدوم ہے اور قطعی معدوم ہے۔

اب میں پھر اپنے سلسلہ قدیم پہ آجاتا ہوں۔ بفرض محال اگر ہم اسی بات پر یقین کر کے حضرت خدیجہ رض کے شوہر اول سے صرف ایک ہی لڑکی کا پیدا ہونا تسلیم بھی کر لیں۔ تاہم اس غریب کا سوائے ذکر ہی ذکر کے نام تک کہیں نہیں ملتا۔ کوئی صاحب خصوصاً منظر صاحب دنامی صاحب جو اپنے آپکو فخر مورخین سمجھتے ہیں۔ اور اکثر رسالہ جات بطرز تاریخ لکھتے ہیں۔ ازراہ مہربانی بتلادیں کہ اس عاجزہ پر کیا گذری کہاں گئی۔ کیا ہوئی۔ اب اگر یہ تینوں لڑکیاں حضرت خدیجہ رض کے شوہران اول سے نہ تھیں۔ تو ان کی ہمشیرہ ہالہ کی لڑکیاں مانی جاتی ہیں کیونکر عقل کے خلاف ہوسکتا ہے ہالہ خواہر جناب خدیجہ رض اور خاص خدیجہ رض کی محبت شفقت قدر افزائی جس قدر آپ کو ملحوظ و منظور تھی۔ اور خصوصاً ہالہ کے احوال پر بعد وفات حضرت خدیجہ رض بھی جیسے مراحم و الطاف فرمائے جاتے تھے۔ وہ ہم مولوی شبلی کی اصلی عبارت سے ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رض کی پہلی شادی ابو ہالہ ابن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ اُن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام ہند تھا۔ ابو ہالہ کے مرنے کے بعد عتیق از عاید مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام بھی ہند تھا۔ اسی بنا پر حضرت خدیجہ رض ام ہند نام سے پکاری جاتی تھیں۔ ہند نے اول اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلعم کا مفصل حلیہ انہیں کی روایات سے منقول ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ حضرت علی ع کے ساتھ جنگ جمل میں شریک تھے۔ اور شہید ہوئے۔ عتیق کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہ رض رسول اللہ صلعم کے عقد نکاح میں

آیئں۔ حضرت خدیجہ رضہ کی ایک بہن ہالہ تھیں اور اسلام لایئں۔ حضرت خدیجہ رضہ کے بعد وفات تک زندہ رہیں۔ حضرت خدیجہ رضہ سے آنحضرت صلعم کو بے انتہا محبت تھی۔ وہ جب عقد نکاح میں آیئں ان کی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت پچیس سالہ تھے۔ نکاح کے بعد وہ پندرہ برس تک زندہ رہیں ان کی زندگی تک آنحضرت نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضہ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈھ کر حضرت خدیجہ رضہ کی ہمنشیں عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائیشہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت خدیجہ رضہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر رشک ان پر آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔

(نوٹ) نامی صاحب و مظہر صاحب ذرا غور فرمایئں کہ حضرت خدیجہ رضہ جو رحمت حق میں جا چکی تھیں۔ اُن سے ام المومنین عائیشہ کو ایسا رشک تھا تو پھر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور جناب امیر علیہ السلام سے آنحضرت صلعم کی محبت والفت دیکھ کر آپ کب چین لیتی ہوں گی۔)

آمدم برسر مطلب۔ ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلعم سے ملنے آیئں۔ اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اُن کی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی۔ آپ کے کان میں آواز پڑی۔ تو حضرت خدیجہ رضہ یاد آگیئں اور آپ جھجک اُٹھے۔ اور فرمایا۔ ہالہ ہونگی۔ حضرت عائیشہ بھی موجود تھیں۔ انکو نہایت رشک ہوا۔ بولیں۔ کہ آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مر چکی۔ اور خدا نے اس سے اچھی بیویاں آپ کو دی ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ روایت یہاں تک ہے۔ لیکن استیعاب میں ہے۔ کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر

تھے تب وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی نہ تھا تو اُنہوں نے میری مدد کی۔
سیرۃ النبی جلد دوم صفحہ ۳۲۱ و ۳۲۲ ٭

شمس العلماء کی مندرجہ بالا عبارت سے آنحضرت کی خاطر نیوض مآثر میں جناب خدیجہ رض اور ان کے بعد ان کی بہن ہالہ کی جتنی قدر و منزلت اور محبت والفت تھی وہ پورے طور سے ثابت ہوگئی۔ اسے پڑھ کر تھوڑی سی سمجھ والا انسان بہ آسانی سمجھ لیگا۔ کہ جن خواتین معظمات کے احوال پر آپ کے ایسے اشفاق ہوں۔ اور الطاف۔ تو اُن کے ہمراہ آئے ہوئے یا ان کی بہن کے ساتھ لائے ہوئے۔ بچوں پر بہ مقتضائے عظمت النسانی واخلاق روحانی آپکے مکارم اور محاسن سلوک کیسے ہونگے۔ اس سے پہلے ہم آپ کی ربیب ہند ابی ہالہ کی تقریر امام قتیبہ اور روضۃ الاحباب وغیرہ کی مستند اور معتبر اسناد سے لکھ چکے ہیں۔ جس نے اس راز سربستہ کی حقیقت کا پورے طور پر انکشاف کر دیا۔ اور سارا مسئلہ صاف۔ اب ہم اس کے مقابلہ میں کسی دلیل اور تفصیل کو بالکل بیکار سمجھتے ہیں۔ اب حضرات اہلسنت کے تمام اقوال اور بیانات و اختلافات روایات اور ان کی مشکلات اور محالات واقعات کو ایک طرف اور حضرات شیعہ کے دعوے اور تحقیقات اور معتقدات کو ایک طرف رکھ کر مقابلہ کیا جائے تو ہر محقق کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ اصل واقعہ و حقیقت وہی ہے۔ جو شیعوں کا مختار ہے۔ اور جس پر سند ابن ابی ہالہ کی گواہی تصدیق و توثیق خود انہیں حضرات کی اقرار کردہ انہیں کی معتبر اسناد سے ذکر کر چکا ہوں۔ مگر ایک عثمان کی قدر افزائی کی غرض سے اپنے اعترافات سے انکار کرنا آپ جیسے ہی بزرگواروں کا کام ہے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ ہزاروں موضوعات و مصنوعات کا طومار باندھا جاتا ہے ٭

اب اس بحث کے خاتمہ پر ایک ایسی روایت قلمبند کرتا ہوں۔ جسے علماء شیعہ نے اکابر علمائے اہلسنت سے لیا ہے۔ اور اس مسئلہ کی منقولی بحث کو ختم کرتا ہوں۔ کتاب مناقب آل ابیطالب میں علامہ محمدؒ ابن علی ابن شہر آشوب مازندرانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ مناقب مطبوعہ بمبئی

صفحہ ۸۶ احمد بلاذری اور ابوالقاسم کوفی نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے۔
کہ جب حضرت خدیجہ رض سے جناب رسالتمآب صلعم نے عقد فرمایا۔ تو وہ باکرہ تھیں
کسی کے عقد میں نہیں آئی تھیں۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ
کتاب الانوار والبدع میں ہے کہ رقیہ و زینب دونو ہالہ خواہر حضرت خدیجہ رض
کی لڑکیاں تھیں۔ اب تو اصل واقعہ معلوم ہوگیا۔ کہ رقیہ و زینب حضرت خدیجہ رض
کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں۔ اپنی خالہ کے ہمراہ بیت الشرف نبوت میں آئیں
اور پرورش پائی۔ ربیبہ رسولخدا صلعم کے شرف و امتیاز سے مشرف ہوکر بقاعدہ
تعارف بنات نبی صلعم کہلائیں۔ چنانچہ اسی ربوبیت کے اعزاز و افتخار کو ہند
ابن ابی ہالہ نے اپنے کھلے کھلے اور صاف صاف الفاظ میں اپنے مفاخر میں ذکر
کیا ہے۔ مگر کیا کہنا حضرات اہلسنت کا کہ محض بپاس خاطر عثمانی اور ان کی
ہواخواہی اور فضیلت دہی اور قدر افزائی کی پُر جوشیوں اور خود غرضانہ
بے ہوشیوں میں ان لڑکیوں کو بنات رسول صلعم بنا دیا۔ حالانکہ ان کا اپنا بھائی
چلاّ کر کہہ رہا ہے۔ کہ یہ میری بہنیں نہیں۔ اور جو اس کی بہن ہو سکتی ہے۔ اسکا
صاف صاف چلاّ کر نام بھی لیتا ہے۔ اور اس پر مفاخرت اور مباہات کرتا ہے
ان بہنوں کا جھوٹوں نام بھی نہیں لیتا۔ بھولے سے ذکر بھی نہیں کرتا۔ اور
اپنے اس خلوص اور اتحاد پر یہاں تک تا بوقت دم مرگ راسخ العقیدہ ہے۔
کہ مرتا بھی ہے اور شہید بھی ہوتا ہے۔ تو اپنی اُسی اکلوتی ہمشیرہ علاتی کے
شوہر کے ساتھ۔ اور خصوصاً ایسی معرکۃ الآرا امتحانگاہ میں جب اس کی
مخالف جماعت کی کمانڈنگ بی بی عائیشہ تھیں۔ بڑی حیرت اور سخت
تعجب تو یہ ہوتا ہے۔ کہ ان تمام امور کو آپ لکھ بھی دیتے ہیں۔ اور ان
واقعات کو تمام قواعد کے ساتھ تسلیم بھی کر لیتے ہیں۔ مگر جب عمل کو
دیکھیے تو اس کے خلاف بالکل برعکس۔ اب کوئی ہزار خود انہی کے تمام
اقوال اور مختار کو دکھلایئے۔ اور سمجھایئے۔ مگر انکار پر انکار ہزار انکار ہے
نہ دیکھتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ انکی موضوعات کا نتیجہ کیا ہوا۔ بقولے دروغ را
فروغ نباشد"۔ ان لڑکیوں کو بنات نبی صلعم بنانا اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حضرات

خود اُن مصائب میں گرفتار ہوئے کہ کسی طرح اس سفید جھوٹ پر رنگ نہ چڑھا سکے۔ عمریں کھپا دیں۔ نسلوں کی نسلیں تمام کر دیں۔ صدیاں گذار دیں۔ مگر یہ غلط بیانیاں اور من گھڑت کہانیاں اس وقت تک ویسی کی ویسی ہی رہیں۔ اور ان کی بدولت انکے علماء، محدثین و مورخین میں باخودہا اتنے اختلافات کثیرہ پیدا ہوئے جن میں سے چند ایک بطور نمونہ لکھے گئے۔ کہ وہ اصل مسئلہ کو کہاں تک بتلائینگے۔ اُس وقت سے لیکر اس وقت تک آنا بھی صاف طور پر نہ بتلا سکے۔ کہ ان میں سے کون بڑی تھی اور کون چھوٹی۔ یہ ناحق شناسی اور غلط پرستی کا نتیجہ ہے۔ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔

اب ان کی موضوعات کی حالتوں کے برعکس علمائے فرقہ حقہ شیعہ کے مختصر فیصلہ پر غور فرمایا جائے۔ کہ وہ جس قدر مختصر ہے اسی قدر کافی بھی ہے۔ اکثر حضرات حیران ہونگے کہ جس امر میں حضرات اہلسنت کے یہاں اس قدر اختلاف ہو۔ اس کا اس قدر آسان فیصلہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ مگر تمام دُنیا واقف ہے کہ حق باتیں نہایت مختصر اور صاف ہوتی ہیں۔ فضول طوالت تو صرف لغویات اور مصنوعی جھوٹی باتوں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اوپر کے تمام واقعات سے یہ تو بخوبی سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ جو اہلسنت حضرات کے بیانات ہیں ان میں نام کو بھی مطابقت نہیں۔ خوب یاد آیا مسئلہ زیر بحث میں ایک نکتہ تنقیح طلب باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ منظیر صاحب و نامی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جب جناب فاطمہؑ آنحضرتؐ کی اکلوتی صاحبزادی تسلیم کی جاویں گی۔ اور زینب۔ رقیہ اور ام کلثوم آپ کی صلبی صاحبزادیاں نہ مانی جاویں گی۔ تو پھر آیۂ وافی ہدایہ (یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ) میں لڑکیوں کا بصیغۂ جمع خطاب فرمایا گیا ہے۔ آپ کی وہ کونسی دوسری صاحبزادی مراد ہونگی اس کے جواب میں اسی قدر حضرات کے جواب اور رفع شکوک اور رفع توہمات کے لئے پورے طور سے کافی سمجھتے ہیں۔ وہو ہذا۔ تمام مجتہدین و طبقہ محققین علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ سیدۂ طاہرہ بتول عذرا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سوا ختمی رسالت روحی لہ الفداء کی کوئی اور صلبی بیٹی نہ تھی

رقیہ اور زینب ضرور ربائب رسولخدا صلعم تھیں۔ اس لئے بطور مجاز نبات رسول ص کہلاتی تھیں۔ (یا ایھا الرسول لازواجك وبناتك) میں اسی بنا پر نبات صیغہ جمع استعمال ہؤا ہے۔ جیسا کہ ان کے شوہر جناب علی ع کے لئے بھی آیت مباہلہ میں تعظیماً صیغہ جمع سے لفظ انفسنا استعمال ہؤا ہے۔ اور ان کے دونو فرزندوں حسنین علیہم السلام کے لئے بھی تعظیماً صیغہ جمع سے ابنائنا کا ارشاد ہؤا ہے۔ صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تعظیم کے لئے بھی آیۂ مذکورہ کی طرح آیۂ مباہلہ میں بصیغہ جمع نسائنا استعمال ہؤا ہے۔ درحالیکہ فریقین کا اتفاق ہے۔ کہ مباہلہ میں حضرت زہرا ع کے سوا عورتوں سے اور کوئی نہ تھی۔ پس لفظ نبات بھی آپ کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید و فرقان حمید میں باب الحقیقۃ والمجاز بہت وسیع ہے۔ اگر یہاں آپ اس سے انکار کرینگے۔ تو پھر سینکڑوں مسائل میں آپ کو مجبور ہونا پڑے گا۔ مسئلہ زیر بحث پر منقولات کے طریقہ سے حقیقت اور اصلیت کی کافی روشنی ڈالکر اب ہم عقلی وسائل سے اپنے دعوے اور مدعائے بیان کو ذیل میں ثابت کرتے ہیں۔ اور اسے نہایت وضاحت کے ساتھ سواد اعظم اہلسنت کے معتبر اور مستند اشہاد سے عام فہم طریقہ پر لکھتے ہیں۔ اور اس بحث کو اس کے تمام جزویات و کلیات کے ساتھ ختم کرتے ہیں +

(۱) واقعات اس امر کے مثبت ہیں کہ ان لڑکیوں زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم کی تربیت طریقہ کفر پر ہوئی۔ اور حالت کفر سے انہوں نے اسلام قبول کیا۔

(۲) فریقین کے اتفاق سے ثابت ہے۔ کہ ان کی شادی کفار سے ہوئی۔ اگر یہ آنحضرت ص کی صلبی لڑکیاں ہوتیں۔ تو آنحضرت ص انکو کفار سے نہ بیاہتے کیونکہ آپ قبل از بعثت بھی نبی تھے۔ حدیث (کنت نبیًا و آدم بین الماء والطین) اس پر شاہد عادل ہے +

(۳) رقیہ۔ ام کلثوم۔ زینب کا نکاح پہلے مشرکین عرب سے کیا گیا۔ ایک کا عتبہ ابن ابولہب اور دوسری کا عتیبہ ابن ابولہب سے اور تیسری کا ابوالعاص بن ربیع سے۔ لیکن فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا عقد اس اہتمام سے

فرمایا گیا۔ کہ حضرات ابوبکر و عمر کیے بعد دیگرے خواستگار ہوئے۔ مگر آنحضرتؐ نے قبول نہ کیا۔ باوجودیکہ یہ دونو صاحب بظاہر مسلمان تھے۔ بلکہ آپ کی شادی خاص حضرت علیؑ سے کی گئی۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ تھا۔ حدیث شریف یہ ہے:۔ (لولم یخلق علیؑ ماکان بفاطمہؑ کفو) امام دیلمی +

(۴) جسوقت آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ نے اپنی چادر میں علی و فاطمہ و حسن و حسین کو لیا اور فرمایا۔ (اَللّٰھُمَّ ھٰؤلاء اھلبیتی) خدایا میرے یہی اہلبیت ہیں۔ (فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا) خدایا ان سے رجس یعنے پلیدی کو دور کر اور انکو خوب طاہر و مطہر فرما۔ آخر اس کا سبب کیا ہے کہ اس چادر میں رقیہ اور ام کلثوم داخل نہ کی گئیں۔ کیا اسوجہ سے نہیں کہ رقیہ اور ام کلثوم دختران رسولؐ نہ تھیں۔ دیکھو تاریخ امام احمد بلاذری یا اسوجہ سے کہ رقیہ اور ام کلثوم میں بروقت مباہلہ موقع پر پیش کیے جانے کی قابلیت ہی نہ تھی۔ ان میں سے جو رائے مسٹر نامی و منظہر صاحب اختیار کرینگے۔ ہمارا مدعا اس سے حاصل ہوگا +

(۵) جس وقت جناب فاطمہؑ بنت رسول صلعم کا عقد ہوا۔ تو خداوند تبارک و تعالیٰ خود متولی عقد ہوا۔ چالیس ہزار ملک اس عقد پر گواہ کیے گئے۔ دیکھو ارجح المطالب مولوی عبیداللہ امرتسری ص۲۹۹ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے (عن انس قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی المسجد اذ قال لعلیؑ ھذا جبریل یخبرنی ان اللہ عزّ زوجک فاطمۃؑ واشھد علی تزوجھا اربعین الف ملک) کیوں جناب فاطمہؑ کا جب جناب امیر علیہ السلام سے عقد ہو۔ تو خود خداوند تبارک متولی عقد ہو۔ اور ایک نہ دو چالیس ہزار ملائکہ گواہ عقد قرار دیئے جاویں۔ مگر جب رقیہ اور ام کلثوم کا عقد عثمان سے ہو تو ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو۔ آخر یہ کیا نا اتفاقی ہے۔ پس پھر وہی بات یا تو رقیہ و ام کلثوم دختران رسولؐ نہ تھیں یا یہ کہ ان میں کوئی شرافت ہی نہ تھی۔ جو ان فضایل کی مستحق ٹھیرتیں۔ ان میں سے جو بات آپ مانینگے۔ ہمارا مدعا حاصل ہوگا +

(۶) عقد جناب فاطمہ ع کے وقت درخت طوبےٰ سے گوہر و یاقوت نچھاور
کئے جاویں۔ جیسا کہ ارجح المطالب میں ہے۔ (واوحیٰ الی الطوبےٰ ان انثر
علیہم الدرر والیاقوت فنشرت علیہم الدرر والیاقوت ناخرجہ الملائی
السیرۃ) اور رقیہ اور ام کلثوم کے عقد کے وقت دریا کو وحی نہ ہو کہ کاش وہ
کوڑیاں ہی نچھاور کر دے۔ یہ کیا نا انصافی ہے۔ ایک دختر رسول ص کے لئے
یہ اہتمام اور دوسری کے لئے بالکل ندارد +

(۷) جب آیہ مودت نازل ہوا۔ اور صحابہ نے آنحضرت ص سے دریافت کیا۔
کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی مودت ہم پر واجب کی گئی ہے۔ اور آپ کے وہ
ذوی القربےٰ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا۔ وہ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ
ہیں۔ دیکھو ارجح المطالب (عن ابن عباسؓ قال لما نزلت ھذہ الآیہ
قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربےٰ قالوا یا رسول اللہ من
ھؤلاء الذین امر اللہ تعالیٰ بمودتہم قال علیؑ و فاطمۃ و ابناھما)
اس روایت کو امام احمد بن حنبل ابن ابی حاتم طبرانی بغوی ثعلبی۔ حاکم۔ دیلمی اور
طبری وغیرہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ کیوں جناب من آخر
رقیہ اور ام کلثوم سے کیا خطا ہوئی تھی۔ کہ انکو ذوی القربےٰ میں نہیں لیا گیا۔
اور نہ ان کی محبت اہل اسلام پر واجب کی گئی۔ کیا یہ دختران رسول خدا ص
نہ تھیں +

(۸) سینکڑوں احادیث فضیلت جناب فاطمہ ع کی رسول خدا صلعم نے
فرمائیں۔ جو کتب سیر و تواریخ و حدیث میں مروی ہیں۔ مگر رقیہ ام کلثوم اور
زینب کے متعلق ایک روایت بھی خاص فضیلت میں پیش کی جا سکتی ہے
جیسی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نسبت ارشاد فرمائی گئیں۔ ایک سچے مسلمان پاک
دل اور با ایمان کو اس امر میں بے انتہا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں کیا۔ ایک صلبی دختر کو تو اتنا بلند مرتبہ
کر کے دکھلایا جائے۔ جس کی کوئی حد نہ ہو اور فرمایا جائے۔ خیر نساء
العالمین مریم بنت عمران و آسیہ بنت مزاحم خدیجہ بنت خویلد

وفاطمہ بنت محمدؐ صلعم) دیکھو استیعاب ابن عبدالبر مکی ج ۲ صفحہ ۷۴۳)، مگر دوسری بیٹیوں کو دس بیس عورتوں سے بھی افضل نہ بنایا جاوے۔ آخر اسکا کیا سبب ہے۔ اگر یہ کہئے کہ آنحضرت ؐ نے دو نگاہ سے دیکھا۔ ایک کی نسبت زیادہ محبت فرمائی اور دوسری دختران صلبی کو اپنی محبت سے محروم رکھا۔ یا یہ کہئے کہ ازبسکہ وہ دختران رسولؐ ہی نہ تھیں۔ اس لئے ان میں فضیلت دخترِ رسولؐ کہاں سے آجاتی۔ اگر آپ پہلے قول پر قایم رہینگے تو عدالت آنحضرتؐ پر طعن وارد ہوگا۔ اور آپ کا کمال بدخلق ہونا ثابت ہوگا حالانکہ انک لعلی خلق عظیم) کے آپ مصداق تھے۔ اگر امر ثانی قبول کیجیئے۔ تو ہمارا مدعا حاصل ❖

علاوہ برایں یہ ایک قدرتی امر ہے۔ کہ جب کبھی کسی کی اولاد دیکھتی ہے کہ انکے والدین کسی ایک بچہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اور اُس کی ہر جگہ تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ تو دوسروں کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے والدین سے طالب انصاف ہوتے ہیں۔ اگر والد سے نہیں۔ تو والدہ سے ضرور شکایت کرتے ہیں۔ اور اگر کسیوجہ سے ماں کو نہ کہہ سکیں تو اپنے اعزا و اقارب اور اہل محلہ سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے والدین فلاں فرزند کو زیادہ پیار کرتے ہیں۔ اور ہم کو نہیں چاہتے۔ مگر تمام دفاتر تواریخ و سیر کو اُلٹنے کے بعد بھی حضرات اہلسنت اس امر کو ثابت نہیں کر سکتے۔ کہ کبھی بھی رقیہ و ام کلثوم و زینب نے رسولخداؐ سے یا جناب خدیجہ رضؓ سے اس ناانصافی کی شکایت کی ہو۔ آخر یہاں قانون قدرت کیوں بدل گیا۔ اور وہ نیچرل وصف جو ہر بچہ میں ودیعت ہوتا ہے۔ رقیہ اور ام کلثوم سے کیوں زائل ہوگیا۔ کیا اس کا یہی سبب نہ تھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو دختران رسول صلعم نہ جانتی تھیں۔ اور یہ کہ جب ان کو اپنا دخترِ رسولؐ نہ ہونا معلوم تھا۔ تو کیونکر اور کس منہ سے شکایت کرتیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک رسولؐ کی چند اولادیں ایک ہی صلب اور ایک ہی بطن سے ہوں اور پھر رسول بھی اشرف المرسلین اور مجموعہ کمالات انبیا علیہم السلام

پھوپھی سوائے ایک کے دوسری میں کوئی شرافت نہ فضیلت ہو جو بیان کی جا سکے۔ باوجودیکہ بقیہ اولاد مشرک بدکار، فاسق بھی نہ ہو۔

آخر میں التماس ہے کہ میری اصلی غرض اس مسئلہ کی تحقیقات سے تھی۔ کہ اُم کلثوم رقیہ و زینب دختران رسولخدا تھیں یا نہیں۔ کیونکہ ہمارے مخاطب صاحبان مسٹر نامی و مظہر نے بنات النبی نام رسالہ لکھ کر عثمان صاحب کی فضیلت و برتری جناب امیر علیہ السلام سے ثابت کی تھی۔ سو بحمد اللہ یہ بخوبی ثابت کیا گیا۔ کہ خود منقولی و معقولی طرق بہ بانات علمائے اہلسنت سے اس کی نفی ہو گئی۔ ورنہ ہم کو ان خواتین معظمات کی تنقیص مقصود تھی نہ توہین۔ بہرحال وہ دونوں تینوں معظمہ و محترمہ تھیں اور دعاؤں میں ان کے نام آئے ہیں۔ اور تغلیباً یعنے بر سبیل مجاز بوجہ ربائب ہونے کے بنات رسول کہی گئی ہیں۔ اور ان کے ایذا دہندہ کو ہم ملعون و مردود سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کے دل میں ذرہ بھر نورِ معرفت ہے۔ اور چشم حق بین سے اس رسالہ کو ملاحظہ کرینگے۔ تو انشاء اللہ یہ رسالہ اسم بامسمےٰ ثابت ہو کر آپکو شاہراہ ہدایت پر پہنچائیگا۔ اور اگر خدانخواستہ ختم اللہ علےٰ قلوبہم الےٰ آخرہ کے مصداق ہیں تو آپ جانیئے۔ ہمارا کام تو اصلیت اور حقیقت کا اظہار تھا سو وہ بخوبی کیا گیا۔ آئندہ آپ مختار ہیں۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ہر وقت بارگاہ مجیب الدعوات میں میری دعا ہے کہ بارالہا تمام مومنین کو شاہراہ حقیقت جو فی الاصل ائمہ معصومین علیہم السلام کی راہ ہے۔ چلنے کی توفیق کرامت فرما۔ آخر میں التماس ہے کہ یہ ناچیز کچھ قابلیت نہیں رکھتا بزرگوں کا خوشہ چیں ہے۔ اگر تحریر میں کسی قسم کا نقص رہ گیا ہو۔ تو اسے بنظرِ اصلاح دیکھ کر دعائے مغفرت فرماویں۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہ

خادم۔ سُلطان علیؒ دُرّانی عفی عنہ

خاتمہ

الحمدللہ کہ آج چہارم ذالحجۃ الحرام سنہ ۲۲ ہجری یوم سہ شنبہ ساعت چہل بجے روز یہ رسالہ عاجلہ تمام ہوا۔ اور حسب الوعدہ نامی ومظہر صاحب کے رسالہ "الصدیق"۔ "فاروق اعظم"۔ "عثمان" اور "قرآن السعدین" کا مکمل جواب دیا گیا ہے۔ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائیگا۔ تو یہ ذخیرہ نافع اسم بامسمےٰ ثابت ہو کر شاہراہ ہدایت پر لیجاویگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔ مگر ناظرین کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ سواد اعظم کا جواب دینا اور ان کے حملات کا روکنا جن کو خود اپنی کثرت پر ناز ہے بلا امداد و اعانت قومی مشکل امر ہے۔ لہذا نہایت ادب سے ملتمس ہوں کہ قلمے درمے قدمے اس کار خیر میں امداد فرمادیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ مخالفین و معاندین ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر اسطرف قوم نے توجہ نہ کی تو خدا نخواستہ سخت مشکل کا سامنا ہوگا۔

جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب لاہور کو خدا جزائے خیر دے۔ اور اس کی ہمت و جرات میں طاقت بخشے۔ جس کے ممبران نے کمر ہمت باندھ کر دشمنان دین مبین کی سرکوبی کا بار اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ مگر کب تک۔ اگر قوم نے انکا ہاتھ نہ بٹایا تو وہ کیا کر سکینگے۔ لہذا ضروری ولابدی امر ہے۔ کہ انکی ہر ایک طرح سے امداد و اعانت کیجائے۔ ؎

زاتفاق مگس شہد میشود پیدا ۔ خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

خاکسار غلام حیدر کرار شاہزادہ سلطان علی درانی افغان صدوزائی
ساکن لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ مرحوم

علمی خزانہ

حضرات مومنین کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ آپ کی اس انجمن کی طرف سے انجمن معین الاسلام اور دائرۃ الاصلاح کے رسائل کی رد میں جو رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے متعلق کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہی عرض کر دینا کافی ہوگا۔ کہ ان رسائل کے زبردست دلائل نے مخالفین کے دلوں پر ایسا سکہ جما دیا۔ کہ آجتک ان سے ایک کا بھی جواب نہ ہو سکا۔ فی الحال انجمن کے پاس مندرجہ ذیل رسائل موجود ہیں۔ امید ہے کہ مومنین ان کی خریداری سے اپنی قومی انجمن کی امداد فرمائینگے۔ محصولڈاک بذمہ خریدار

نام کتاب	قیمت
خلافت الہیہ حصہ اول	۱۰
" " حصہ دوم	۱۰
الحق الجلی فی تحقیق اہلبیت النبی	۸
دعوتِ حق بجواب دعوت صلح	۵
سبیل الرشاد	
عبرت بجواب امامت	۲

ماہیۃ معاویہ	۴ر
تحفۃ الاحباب	۴ر
خاموش بدزبان منظوم بجواب خاموش نوحہ خواں	۴ر
ازالہ اوہام اعنی تحقیق سب وتبرا[13]	۱۰
طمانچہ پرخشم بر رخسار ملایک چشم	۱ر
عدم شرکت شیخین درجنازہ رسول الثقلین . .	۱ر
خیر جاری درعرفان باری	۲ر
سیالکوٹی ناصبی خارجی کا جواب	٠ر
ابن عفان کی یادگار	۱ر

اصلاح الاعتقاد	۴ر	ذلت الاشقیا	۴ر
اصلاح الفساق	۴ر	اظہار حق (منظوم)	۴ر
تنقید الکلام	۲ر	تعزیہ حسینؑ	۴ر
میزان حق	۱۰ر	الجمرہ (کلوخ)	۴ر
مراۃ القادیانیہ . .	۴ر	ذکر افلح	٠ر
تقیہ	٠۲ر	معیار ہدایت	۲ر

مصباح الہدایت حصہ دوم ۱۰ر

ملنے کا پتہ

سیکرٹری جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب
لاہور

...منا امة یهدون بالحق وبه یعدلون

...علی احسانه که رساله شریفه وعجاله منیفه

...انکشاف حالات جدیده معه حواله جات عدیده

رساله نمبر ۲۹

المسمی به

...صباح الہدایت

حصه دوم

مؤلفه

جناب مستطاب حاجی حرمین الشریفین حاجی شہزاده سلطان علی صاحب درانی

بفرمائش جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب لاہور

بابت ماه مارچ واپریل ۱۹۲۳ء

بغرض افاضۂ مومنین وافاده مسلمین

(گوہر بیٹو سٹیم پریس لاہور میں باہتمام میاں خیرونالدین پرنٹر چھپا)